نگارشات

عبدالجبار سلفی (1)

ترتیب: محمد عثمان حسن

ناشر: ادارہ مظہر التحقیق لاہور

0322:8464167

خطرناک دادوں کے خطرناک پوتے

ازقلم: عبدالجبار سلفی لاہور

حال ہی میں پاکستان میں دو ہولناک واقعات یکے بعد دیگرے منظر عام پر آئے ہیں، ایک انسانی جان کے ضیاع کی صورت میں اور دوسرا مقبولانِ بارگاہ الٰہی پر زہر افشانی کرنے کی صورت میں، اور ان میں ملوث دونوں افراد ماضی کی دو معروف شخصیات کے پوتے ہیں، چونکہ دونوں سانحات کا تعلق تشدد، عدم برداشت، تعصب وتعنت، قلّت علم، محروم عمل، زوال فہم اور عناد قلبی ومفادات دنیا کے ساتھ ہے، اس لئے ہم زیر نظر تحریر میں ماضی کے معروف دو دادوں کے ان پوتوں کے حوالہ سے کچھ معروضات پیش کریں گے۔

(1) صاحبزادہ حامد رضا خان ماضی کی معروف شخصیت مولانا سردار احمد مرحوم گورداسپوری ثم لائلپوری کے پوتے ہیں، ان کا ایک تقریری ویڈیو کلپ گردش کر رہا ہے جس میں لفظ لفظ سے واضح طور پہ بدبو کے بھبکے اڑتے محسوس ہوتے ہیں، وہ چند دیگر شخصیات کا ذکر کرتے ہوئے مولانا حق نواز شہید آف جھنگ کے متعلق پورے گھمنڈ کے ساتھ کہتے ہیں کہ ہم نے انہیں جہنم واصل قرار دیا وغیرہ وغیرہ۔ موصوف کے ان الفاظ سے ٹپکتی جہالت پر تبصرہ کرنا ہم غیر ضروری سمجھتے ہیں، کیونکہ ایک معمولی درجے کا پڑھا لکھا مسلمان بھی جانتا ہے کہ کسی بھی مرحوم مسلمان کے متعلق کوئی حتمی رائے قائم کر کے اسے اپنے خطاب کا حصہ بنانا بالکل غیر شرعی اور تعلیمات دین اسلام کے خلاف ہے، اس لئے ہمیں دنیا سے جانے والوں کے متعلق حُسنِ ظن قائم کرنے کا حکم دیا گیا ہے، مگر موصوف اس قدر تعلّی وتکبر کے ساتھ یہ الفاظ کہہ رہے تھے گویا انہیں تکوینی طور پر جہنم کا ٹھیکہ سونپا گیا ہے، اور پھر یہ الفاظ ایک ایسے عالم دین کے متعلق کہنا کہ جس نے عظمت اصحاب رسول ﷺ کی خاطر سنی ملّت کو بیدار کرنے کا وہ تاریخی فریضہ سرانجام دیا ہے کہ جو رہتی دنیا تک یادگار رولا جواب رہے گا، اور بشمول دیوبندی، بریلوی اور اہل حدیث تینوں مکاتب فکر کے مسلمان اپنے تحفظات وخدشات کا حق محفوظ رکھنے کے باوجود مولانا شہید کے اخلاص وایثار اور سنی غیرت کے حوالہ سے متفق الخیال ہیں، صاحبزادہ موصوف کا یہ شعلہ نوا خطابی کلپ دیکھ کر مجھے بریلوی مکتب فکر کے ایک معروف خانوادہ کے عالم دین مولانا محمود احمد رضوی مرحوم کی وہ کیفیت یاد آ گئی جو مولانا حق نواز شہید کی اچانک خبرِ شہادت سن کر ان پر طاری ہوئی ہے اور معاصر نامی گرامی لوگوں نے وہ منظر بچشم خود دیکھا تھا، واقعہ یوں ہے کہ ایک مرتبہ کسی علمی نشست میں بندہ نے کہا تھا کہ بانی جامعہ حزب الاحناف لاہور مولانا دیدار علی الوری مرحوم کے پوتے مولانا سید محمود احمد رضوی مرحوم بھی دفاع صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے حوالہ سے کافی حساس اور متحرک مزاج کے مالک تھے، تو مولانا زاہد الرشدی صاحب نے بتایا کہ مولانا حق نواز جھنگوی کی شہادت کی خبر سن کر میں نے اپنی آنکھوں سے مولانا محمود احمد رضوی کو بلک بلک کر اور دیوار میں سر مار مار کر روتے دیکھا ہے (الفاظ کی کمی بیشی کے بشری امکان کے ساتھ نفس واقعہ بالکل یہی ہے، اس لیے مولانا زاہد الراشدی صاحب سے اگر کوئی اس واقعہ کی تصدیق لینا چاہے تو لے سکتا ہے، اگرچہ یہ بات سنے ہوئے ایک لمبا عرصہ گزر چکا ہے مگر ان شاء اللہ وہ اس کی ضرور توثیق کریں گے) اب صاحبزادہ حامد رضا کو کوئی جا کر بتائے کہ بندۂ خدا جس عالم دین کی شہادت پہ مولانا محمود احمد رضوی مرحوم جیسے محدثانہ شان کے مالک انسان پر غم وصدمہ کی یہ کیفیت طاری ہو گئی تھی، تو آج آپ جیسے پھکڑ باز اور وضع قطع کے اعتبار سے ایک چرس فروش یا بٹیر باز ''بزرگ'' کی اس تھتھلاہٹ سے مولانا حق نواز

شہید کے کفن کا کیا نقصان ہوگا؟ دراصل یہ وہ قلبی تعصّبات اور متشددانہ رویے ہیں جو مولانا سردار احمد مرحوم نے اپنی نسل کے خون میں منتقل کئے تھے، مولانا سردار احمد صاحب کو ان کے عشّاق محدث اعظم پاکستان کے لقب عالی سے ملقب کرتے ہیں، موصوف گورداسپور میں پیدا ہوئے تھے، اور قریب قریب کی تاریخ کہتی ہے کہ مرزا غلام احمد قادیانی، غلام احمد پرویز، یا پھر مولانا سردار احمد مرحوم میں زیادہ تر ''گورداسپوریئے'' چھیڑا چھیڑی کی عادات میں ہی مبتلا نظر آتے ہیں، مولانا سردار احمد مرحوم قیام پاکستان کے بعد فیصل آباد میں منتقل ہو گئے تھے جہاں وہ ایک مرکزی مسجد و مدرسہ قائم کرنے میں کامیاب ہوئے، اور پھر لائلپور کو ہی انہوں نے اپنا مورچہ بنا کر اپنے مخالفِ فکر یا مخالفِ طبیعت مسلمانوں پر فتوؤں کی گولہ باری کا مشغلہ جاری رکھا، حضرت محدث اعظم پاکستان اس قدر غصیلے اور کڑوے کسیلے بزرگ تھے کہ ایک مرتبہ محقق اہل سنت حضرت مولانا محمد نافع علیہ الرحمہ کے برادر بزرگ، حضرت مولانا محمد ذاکر رحمہ اللہ (فاضل دیوبند و بانی جامعہ محمدی شریف چنیوٹ) فیصل آباد میں حضرت محدث اعظم پاکستان کی زیارت کے لئے تشریف لائے تو انتظار میں بیٹھ بیٹھ کے ہی واپس چلے گئے تھے، کیونکہ مولانا محمد ذاکر و نافع رحمہا اللہ دونوں بھائی دارالعلوم دیوبند میں کسبِ فیض کرتے رہے اور پھر جامعہ محمدی شریف میں انہوں نے دیوبندی و بریلوی دونوں مسالک کے علماء کو مدرسین کے طور پہ رکھا ہوا تھا، یہ پالیسی محدث اعظم پاکستان کی طبع نازک کو ایسے ہی بے چین کر رہی تھی جیسے آج ان کے پوتے جناب صاحبزادہ حامد رضا کو مولانا حق نواز شہید کا خون ناحق تڑپا رہا ہے، مولانا سردار احمد صاحب مرحوم تو غالباً 1962ء میں انتقال فرما گئے تھے مگر اس کے بعد جب شاہ فیصل مرحوم کے اعزاز میں لائلپور کا نام ''فیصل آباد'' سے تبدیل ہوا تو ایک سعودی خادم الحرمین الشریفین سے منسوب مذکورہ و موجودہ نام مولانا سردار احمد مرحوم کے عشاق اور عقیدتمندوں کے مبارک پیٹ میں ''نیلے تھوتھے'' کا کام کر گیا یعنی سبھی سراپا احتجاج ہو گئے اور مطالبہ کیا کہ لائلپور کا نام ''سردار پور'' رکھا جائے، اہلیان فیصل آباد کے اچھے نصیب تھے کہ ارباب اقتدار نے اس پرزور احتجاج کو محض ایک لطیفہ کے طور پہ سنا، اور معقول حکومتی حلقوں میں کوئی شنوائی نہ ہو سکی، مولانا سردار احمد لائلپوری مرحوم اس قدر متشدد مزاج اور گرم طبیعت رکھتے تھے کہ ان کے قریب پڑا برف کا بلاک بھی گیس سلنڈر میں بدل جاتا تھا جو ان کی ''موج نفس'' کے اثر سے پھٹ کر کہرام مچا دیتا تھا، آج کی نسل مولانا مرحوم کی انوکھی اشتعالی طبیعت کا صاحبزادہ حامد رضا کے روپ میں نظارہ کر سکتی ہے، مولانا سردار احمد لائلپوری کے بیٹے اور حامد رضا صاحب کے پدر گرامی مرحوم صاحبزادہ فضل کریم کی بھی پوری زندگی فرقہ وارانہ انگیٹھیوں میں پھونکے مارتی گزر گئی تھی، اور بالآخر وہ عارضہ جگر میں مبتلا رہ کر دنیا سے چل بسے، کہتے ہیں لوہے کو لوہا کاٹتا ہے، مولانا سردار احمد مرحوم کی اسی غیر عاقلانہ روِش کا نتیجہ تھا کہ پھر فیصل آباد کی سرزمین پر اللہ تعالی نے مولانا محمد ضیاء القاسمی رحمہ اللہ جیسے بہادر اور بیباک ونڈر خطیب کو اٹھان دی جنہوں نے اپنی جوشیلی اور مخصوص طرز خطابت سے فیصل آباد کی مٹی میں توحید و سنت اور عظمت صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے نغموں سے وہ مستی پیدا کر دی تھی جس کا شباب آج بھی اپنے جوبَن پر ہے، کوئی نہیں مانتا تو بھلے نہ مانے، مگر یہ ایک کھلی حقیقت ہے کہ آج فیصل آباد میں علماء اہل سنت دیوبند کے مدارس کی فلک بوس عمارتوں، مسجدوں اور خانقاہوں میں مولانا ضیاء القاسمی کے لہجے کی گرج، سینے کی دھمک اور مسلکی غیرت کی چمک شامل ہے، جناب صاحبزادہ حامد رضا صاحب کیا اس پہ غور کرنا پسند فرمائیں گے کہ آج فیصل آباد میں آپ کے دادا جان مرحوم کی متشددانہ کارروائیوں کے نتیجے میں مسلک بریلی کا فکری گراف کیا ہے اور

علمائدیوبند کی روحانی، تعلیمی، تبلیغی، فکری اور دعوتی موجیں اچھل اچھل کر کیسے ساحل سمندر سے بار بار ہمکنار ہوتی دکھائی دے رہی ہیں، رہ گئے مولانا حق نواز شہید تو یہ ادھار سہی کیونکہ

قریب ہے یارو روز محشر چھپے کا کشتوں کا خون کیونکر　　جو چپ رہے گی زبان خنجر لہو پکارے گا آستیں کا

قائد اہل سنت حضرت اقدس مولانا قاضی مظہر حسین رحمہ اللہ تردید رفض و بدعت اور دفاع صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے مسئلہ میں ایک اتھارٹی کی حیثیت رکھتے تھے، اور آپ نے اپنی متعدد تحریروں میں غیر معتدل جماعتوں اور ان کے طریق کار سے اختلاف کیا، اور ہم بھی حضرت اقدس قاضی صاحبؒ کی متعین کردہ راہوں پہ چلنے میں ہی خیر سمجھتے ہیں، مگر اس کا قطعاً یہ مطلب نہیں ہے کہ کوئی چپڑ قنا تیا اور بے مغز اعہدوں کی حرص و ہوس سے مغلوب ہو کر ایک شہید ناموس صحابہؓ کی ذات پہ عَفْ عَفْ عَفْ کرتا پھرے، اور روافض کی خوشنودی و چاپلوسی میں حمیت وغیرت کی اپنی آخری پوٹلی تک کو نیلام کر کے رکھ دے، ہم توقع رکھتے ہیں کہ صاحبزادہ موصوف کو ان کے مکتب فکر کے علماء کرام راہِ راست پر لانے میں اپنا کردار ادا کریں گے۔

(2) دوسرا ایک ہولناک واقعہ وطن عزیز کے دارالحکومت کے عین وسط میں قتل کی صورت میں پیش آیا، چکوال کے نامی گرامی سیاسی خاندان کی موجودہ علامت اور معروف صحافی جناب ایاز امیر صاحب کے بیٹے شاہنواز نے اپنی بیوی سارہ کو گھریلو تنازع پہ بیدردی سے قتل کر دیا، ایاز امیر صاحب کے اس قاتل بیٹے نے اس سے پہلے دو بیویوں کو طلاق دے رکھی تھی، شاہنواز کی والدہ کے اپنے شوہر سے ازدواجی نشیب و فراز ایک مستقل موضوع ہے، ہم اس بے فائدہ بحث میں نہیں پڑیں گے، انٹرنیٹ پہ بھی اور قومی اخبارات میں بھی مکمل تفصیلات موجود ہیں، جسے پڑھنے والے پڑھ رہے ہیں، ہم یہاں قاتل شاہنواز کے دادا جان چوہدری امیر محمد بھگوالیہ کا ذکر کریں گے، جو اپنے وقت کے ایک نہایت سیاسی متشدد اور تعصب و نخوت سے اٹے ہوئے انسان تھے، 1979ء اور اس سے پہلے 1964ء کے صدارتی انتخابات میں ان کا طوطی بولتا تھا، مال و دولت کی فراوانی کے سہارے انہوں نے وہ سب کچھ کیا جو عموماً متمول طبقہ کرتا آیا ہے، پھر وہ وقت بھی آیا کہ جب انہیں چکوال ہی میں نہایت مکروہ اور قابل عبرت حالت میں قتل کر دیا گیا تھا، وجوہات کیا تھیں اور کیا نہیں؟ اللہ ہی جانے! اللہ کریم سب کی پردہ پوشی فرمائے اور اپنی شان ستّاری کے اظہار سے اپنے بندوں پر عفو و کرم فرمائے، ایاز امیر صاحب ایک اعلیٰ تعلیم یافتہ، انتھک سیاستدان اور حالات حاضرہ پہ گہری نظر رکھنے والے مشہور صحافی ہیں، مگر افسوس کہ وہ مذہبی اور اخلاقی طور پر نہایت بھونڈے انداز میں پینے پلانے، جام لنڈھانے، شباب سے اٹکھیلیاں کرنے وغیرہ وغیرہ کی نازیبا اصطلاحات سے آئے روز مذہب و ملت کا تمسخر اڑاتے رہتے ہیں، مولانا سردار احمد لائلپوری کا پوتا صاحبزادہ حامد رضا ہو یا چکوال کے تاریخی قصبہ بھگوال کے امیر محمد بھگوالیہ کا پوتا شاہنواز ہو، ان کا طرز زندگی اور طور و اطوار جہاں جانے والوں کی تربیت و اخلاقیات پہ سوالیہ نشان چھوڑ رہا ہے، وہاں موجودہ معاشرہ کے باسیوں سے بھی تقاضہ کر رہا ہے کہ کاش ہم ظلم، بے حسی، غیر انسانی سلوک، تکبر و رعونت، تشدد و تعصب، اور عدم برداشت کے رویوں سے یکسر بغاوت کر کے اپنی نسلوں پہ احسان کر دیں، اگر ہم سب یہ عزم بالجزم کر لیں تو یقین ہے کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت اپنی لٹی پٹی مخلوق کو ایک بار پھر تھام لے گی، اور اگر ہم جوں کے توں ہی رہنے پہ بضد ہیں تو پھر دیکھتے جایئے اس معاشرہ میں کسی معروف دادا کا پوتا شہید عالم دین کو واصل

جہنم کہہ کر فساد پھیلاتا رہے گا تو کسی دوسرے دادا کا پوتا حوا کی بیٹی کو چوزے کی طرح ذبح کر کے فساد فی الارض کا ارتکاب کرتا رہے گا، اعاذنا اللہ منہ!

(عبدالجبار سلفی لاہور 27 ستمبر 2022ء)

سیاست حضرت معاویہؓ کا نعرہ اور فصلی بٹیروں کی کُرکیں

ازقلم: عبدالجبار سلفی لاہور

مورخہ 21 اگست 2022ء بروز اتوار تحریک خدام اہل السنت والجماعت کی 55 ویں سالانہ مرکزی کانفرنس تزک واحتشام سے منعقد ہوئی، اس کانفرنس میں مرکزی امیر تحریک حضرت صاحبزادہ مولانا قاضی محمد ظہور الحسین صاحب اظہر دامت فیوضہم نے اپنے ارشادات میں مذہب اہل سنت کی حقانیت اور بعض قدیم فتنوں کی چالوں اور ان کے ژولیدہ افکار پہ نقد کرتے ہوئے ایک یہ بات بھی ارشاد فرمائی کہ موجودہ دور میں سیاست حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ زندہ باد کا نعرہ لگانا خلاف اعتدال ہے۔ حضرت مدظلہ کی اس بات کو مکمل گفتگو کے سیاق وسباق سے مربوط کرنے اور قائل کی اصل مراد کو سمجھنے کی کوشش کی بجائے کچھ فصلی بٹیروں نے اپنی سرکش جبلت کے عین موافق سوشل میڈیا پہ ایک طوفان بدتمیزی بپا کر دیا، سوشل میڈیا کے اس چڑیا گھر میں اول اول تو فصلی بٹیروں کی کُرکیں سننے میں آئیں مگر بعد میں آہستہ آہستہ کہیں گائیں رانبھتی دکھائی دیں، کہیں سانڈ ڈکارتے نظر آئے، کہیں کبوتروں کی غٹرغوں، کہیں مکھیوں کی بھنبھناہٹ اور کہیں بینچوں ڈھینچوں قسم کی دوسری آوازوں نے گورکھ دھندا سا بنا کر رکھ دیا، لازمی بات ہے کہ اس قسم کی بولیوں میں علم ودانش کی صدا کا کوئی فائدہ نہیں ہوسکتا، دوسری طرف ہم اس لئے بھی خاموش رہے کہ اس وقت وطن عزیز قدرتی آفات کی زد میں ہے اور چاروں صوبوں کے مرکزی مقامات سیلابی ریلوں کی نذر ہو رہے ہیں، اور تاحال یہ سلسلہ تھمتا دکھائی نہیں دے رہا، ایسے میں ہمیں فکری ونظری خیالات متبادل کرنے کی بجائے اپنے مصیبت زدہ مسلمان بھائیوں کی خبر گیری کی طرف متوجہ رہنا چاہئے، مگر چونکہ شرور سے خیر کے چشموں کا پھوٹنا بھی ایک فطری امر ہے، سو اب جب دھیرے دھیرے فصلی بٹیروں کی کُرکیں دھیمی و مدھم پڑیں تو ملک بھر سے سنجیدہ احباب کے سوالات کا تانتا بندھ گیا کہ آخر اس نعرے کے متعلق اسلاف اہل سنت کو طبعی کدورت رہی ہے تو اس کی وجہ کیا ہے؟ چنانچہ ان احباب ذی وقار کی تشفی کیلئے یہ سطور نذر باصرہ کی جارہی ہیں، رہ گئے فصلی بٹیرے تو وہ خود ہی روپوش ہو کر تتر بتر ہو جائیں گے یا کسی شکاری کے جال میں پھنس کر اپنے انجام کو پہنچ جائیں گے، اس سلسلہ میں ہم چند معروضات پیش خدمت کریں گے اور ابتدا ہی میں یہ بات واضح کر دینا چاہتے ہیں کہ حضرت امیر مرکزی دامت برکاتہم کے خلاف پروپیگنڈہ کرنے والے لوگوں کا اہل سنت کی کسی بھی تنظیم کے ساتھ کوئی تعلق نہیں ہے اگر ایسا ہوتا تو ہم انہیں فصلی بٹیروں کا نام ہی نہ دیتے، یہ آوارہ پرندے اِدھر اُدھر سے آ کر اپنا دانہ دُنکا چگتے ہیں اور پھر صاف ستھرے باجرے میں اپنا اپنا مواد بطن ڈال کے پُھر کر کے اڑ جاتے ہیں، لہذا دفاع صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے محاذ پہ کام کرنے والی تنظیموں یا اہل سنت کی کسی بھی تنظیم کے ساتھ ایسے لوگوں کا کوئی جماعتی یا فکری رشتہ نہیں ہوتا، اب ہم نور بصارت رکھنے والے ذی فہم احباب کی خدمت میں اپنی گزارشات پیش کرتے ہیں:

اوّلاً حضرت مولانا صاحبزادہ قاضی محمد ظہور الحسین صاحب اظہر مدظلہ ایک عالی حسب ونسب سے تعلق رکھتے ہیں، آپ اپنے عظیم والد گرامی قائد اہل سنت حضرت مولانا قاضی مظہر حسینؒ کے اکلوتے فرزند ہیں اور پدر ذی شان کی شرافت طبعی کے جوہر بہ کمال اپنے اندر

سموئے ہوئے ہیں، اہل سنت کا بچہ بچہ آپ کے اخلاق کریمانہ، اطوار شریفانہ اور پیکر مخلصانہ سے واقف ہے، آپ نہایت معتدل طبیعت کے مالک ہیں، کھانے میں دسترخوان پہ کنٹرول رکھتے ہیں، مجلس میں زبان کو محتاط رکھتے ہیں، لکھنے میں قلم کو بہکنے نہیں دیتے اور اسٹیج پہ دوران تقریر کوئی غیر ذمہ دارانہ اشتعال انگیز گفتگو نہیں فرماتے، یہی اخلاق کی بلندی ہے جو دیوانگی ان کے قریب نہیں آنے دیتی، اور یہی اعلیٰ ظرفی آں قبلہ گاہی کے صحیح الدماغ اور صالح فطرت کا پتہ دیتی ہے جن لوگوں نے حضرت موصوف کی ذات کو آڑ بنا کر قائد اہل سنتؒ تک کی توہین کی ہے اور اس سے بھی اوپر ابوالفضل مولانا قاضی محمد کرم الدین دبیر مرحوم کی باکمال شخصیت پہ طعنہ زنی کی ہے ان لوگوں کا اپنا بیک گراونڈ اگر کسی بھی درجہ میں شریفانہ ہوتا تو وہ ایسی حرکت کے کبھی مرتکب نہ ہوتے، ان کی یہ باغیانہ جسارت اور بدبودار شرارت ان کی گھریلو تربیت کے دَل بادل دکھا رہی ہے، خیالات کا اظہار کرنے میں کوئی قید یا بندش نہیں ہے مگر انداز مؤدبانہ اور گفتگو مدللانہ ہو تو پھر اس کی گنجائش ہوتی ہے، مگر عداوت کے اندھے جذبوں سے مغلوب ہو کر لغویات کہنے والوں کو اور نہیں تو کم از کم اپنی موت کا استحضار تو رہنا چاہئے، کہ ایک دن ہم سب نے اللہ تعالی کی بارگاہ میں بھی پیش ہونا ہے اور اپنے اعمال کا حساب دینا ہے۔

ثانیاً جہاں تک سیدنا حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے شرف صحابیت کا تعلق ہے تو یہ بات ہم بارہا بار کہہ چکے ہیں کہ وہ ایک صحابی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کُل کے کُل صحابہؓ جنتی ہی نہیں بلکہ جنت کے مالک ہیں کہ اللہ کریم نے ان نفوس قدسیہ کو اس دنیا کی زندگی ہی میں جنت کے پروانے عطا فرما دیئے تھے، اس منصبِ صحابیت کے بعد ان کے جتنے بھی ایمانی کمالات ہیں وہ سب کے سب اہل سنت کی آنکھوں کا غازہ ہیں، اور جہاں تک تعلق ہے ان کی طرز سیاست کا تو اگر طرز سیاست سے مراد ان کا نظم مملکت ہے، تو لازمی بات ہے جس نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو جنتی اور کامل صحابی مان لیا وہ آپ کے طرز سیاست کو بھی زندہ باد ہی کہے گا نہ کہ خدانخواستہ مردہ باد۔ مگر پاکستان کے عمومی نظریاتی ماحول میں جب حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے طرز سیاست کو خلیفہ موعودہ راشدہ حضرت سیدنا علی المرتضی رضی اللہ عنہ کی خلافت کے مقابلہ میں لا کر حضرت علی المرتضی رضی اللہ عنہ کو العیاذ باللہ نااہل، کمزور، بے تدبیر، فراست سے عاری اور صلاحیتوں سے یکسر محروم کر کے پیش کیا گیا تو اب اہل سنت کے حساس علماء کرام چوکنا ہو گئے کہ ہر اس راہ سے مسلمانوں کی رہنمائی کرنی ضروری ہے کہ جس راہ پہ گامزن ہونے سے ان کا خلفائر اشدین پر سے اعتماد متزلزل ہو اور خارجیت یا ناصبیت کے جراثیم پیدا ہونے کا خدشہ ہو، اس فلسفے کے مُوجِد محمود احمد صاحب عباسی ہیں، جنہوں نے سب سے پہلے یہ موقف اپنی کتاب خلافت معاویہ و یزید میں پیش کیا اور پھر ان کی فکری ٹیم نے مزید اس پہ ملمع سازیاں کر کے کتابوں پہ کتابیں لکھیں جن میں حکیم فیض عالم صدیقی، نذیر احمد شاکر، عزیر احمد صدیقی، عظیم الدین صدیقی اور حکیم خلیق الرحمن وغیرہ وغیرہ سرفہرست تھے جن کے پڑھنے والے آگے پھر مختلف جتھوں کی صورت میں سامنے آتے رہے، ان سارے لوگوں کا قدر مشترک موقف یہی تھا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ اور ان کی اولاد حکومتوں کی خواہش تو دلوں میں پالتے رہے مگر یہ سب حضرات اوصاف حکمرانی سے نابلد تھے، سیاست حاضرہ انہیں چھُو کر نہ گزری تھی، حکمت و مصالحت کا ان کے ہاں کوئی وجود نہ تھا جبکہ ان کے مقابل حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے کامیاب حکومت کر کے دکھائی، انہوں نے اپنی سیاسی فراست سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی فوجوں کو جھکنے پہ مجبور کر دیا، حضرت سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کو اپنی بیعت پہ مجبور کر دیا، یہاں تک لکھا گیا اور آج کے نقال ان

ناصبیوں کی کتابوں سے ایسی واہیات چُن چُن کے لوگوں میں نشر کرتے پھر رہے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی ساری فضیلتوں پہ اس وقت پانی پھر گیا جب انہوں نے قاتلان حضرت سیدنا عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ کی سرپرستی کی، انہیں پناہ دی اور پھر اپنے وقت خلافت میں ان سے خونِ عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ کا قصاص تک نہ لے سکے، لہذا ''سیاست معاویہ زندہ باد''۔ اب ارباب نظر خود فیصلہ کریں کہ اب یہ نعرہ محض عموم کے پیرائے میں نہ رہا بلکہ اس کے ساتھ ایک سوچ نتھی ہو چکی ہے ایک فکر بیمار وابستہ کی جا چکی ہے تو ایسے میں یہ نعرہ لگانا یا اس پہ اصرار کرنا کیا ناصبی نظریے کو پانی دینے کے مترادف نہیں ٹھہرے گی؟

پھر محمود احمد عباسی کے جواب میں جو جو کتابیں وجود میں آئیں ان میں سے بھی بہت سارے لوگ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی مدافعت کرتے ہوئے اعتدال سے لڑھک گئے، مودودی صاحب نے خلافت وملوکیت لکھی تو ان کا قلم حضرت عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی پالیسیوں پہ چڑھ دوڑا، مولانا محمد اسحق سندیلوی میدان میں اترے تو انہوں نے اپنی ضخیم کتاب اظہار حقیقت میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی موعودہ خلافت پہ نشانہ بازی شروع کر دی، حکیم خلیق الرحمن اہل حدیث بزرگ لنگوٹ کس کے اپنی کتاب امیر المومنین امیر معاویہ رضی اللہ عنہ لکھ کر لائے تو انہوں نے بعض صحابہؓ کی صحابیت کو ان کے مزاج کے ہاتھوں شکست خوردہ قرار دے دیا، دوسرے بزرگ حکیم فیض عالم صاحب نے اپنی تمام کتابوں بالخصوص مذہب شیعہ، خلافت راشدہ، سیرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا اور دیگر کتابچوں میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پورے خاندان کو آڑے ہاتھوں لے کر اہل بیت نبی کے متعلق کونسا رکیک اور قبیح تبصرہ ہے جو نہیں کیا؟ پھر اہل بیت کے دفاع میں مولانا سید لعل شاہ بخاری اور ان کے شاگردوں نے وہ اودھم مچایا کہ سچ اور جھوٹ کو بالکل کو خلط ملط کر کے رکھ دیا، شاہ صاحب نے اپنی کتاب استخلاف یزید میں جو راہوار قلم کو ایڑ لگائی تو ان کا قلمی گھوڑا اپنا توازن برقرار نہ رکھ سکا، پھر ان کے ایک شاگرد مہر حسین بخاری نے 1988ء میں سیاست معاویہ کے نام سے کتاب لکھ کر توہین بازی کا شغل پورا کیا، مولانا لعل شاہ صاحب کے دوسرے شاگرد عبدالقیوم علوی نے تاریخ نواصب لکھ کے صحابہ کرامؓ کی عظمت کی بھد اڑانے کی ذلیل کوشش کی، تو تیسری جانب اہل تشیع کے قلمکاروں میں منظور حسین بخاری نے دو ضخیم جلدوں میں ''سیاست معاویہ و یزید'' مولانا سید طیب الجزائری نے ''آفتاب شہادت'' اور مولانا حسین بخش جاڑا نے اپنی کتابوں میں توہین صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے مذہبی شوق سے اپنا پیٹ بھرا ان سارے محاذوں پہ مردانہ وار جس مرد قلندر نے سب بیاعتدال طبقوں کا تعاقب کر کے چُومُکھّی جنگ لڑی وہ قائد اہل سنت حضرت مولانا قاضی مظہر حسینؒ ہیں جن کی کتابوں، رسالوں، پمفلٹوں، درسوں اور خطابات نے ہلچل مچا دی اور پھر روافض کے ساتھ ساتھ نواصب کی جھگیوں میں بھی بھانبڑ مچ گیا اور آج الحمدللہ انہیں سر چھپانے کی جگہ نہیں مل رہی، راقم السطور پوری تحدّی اور اعتماد سے یہ دعوی کرتا ہے کہ حضرت قاضی صاحب رحمہ اللہ نے اپنی تحریک سے ان تمام فتنوں کا جنازہ نکال دیا تھا اور یہ اس وقت تک قبرستانوں میں رہے جب تک کہ سوشل میڈیا وجود میں نہیں آیا، 2005ء کے بعد بعد ناپختہ ذہن کے شتونگڑوں کے ہاتھ جب مردہ ناصبیوں کی کتابیں چڑھیں تو وہ بندر کے ہاتھ میں ہلدی آ جانے کے بعد خود کو پنسار سمجھ کر اکڑوں پہ اتر آئے، دلیل اور عقل کی دنیا میں یہ لوگ کب کے قبرستانوں کا رزق بن چکے تھے، یہ تو بھلا ہو اس دور جدید کی نان سٹاپ سہولت کا کہ اس کے سہارے مُردوں کو پَر لگ گئے ہیں، ارباب بصیرت قائد اہل سنت

حضرت مولانا قاضی مظہر حسینؒ نے سنیت کو اپنی قدیم راہوں پہ گامزن کیا، اور باشعور اہل سنت آج بھی حضرت قاضی صاحبؒ کے ممنون احسان ہیں اور وہ اس قاضی خاندان کو اپنا مقتداء و پیشوا تسلیم کرنے میں فخر محسوس کرتے ہیں، حضرت شیخ الحدیث مولانا عبدالمجید لدھیانوی رحمہ اللہ اسی حساسیت کے تناظر میں سیاست معاویہ رضی اللہ عنہ زندہ باد کے نعرے کے متعلق فرماتے تھے کہ

''یہاں جو نعرہ لگایا جاتا ہے سیاست معاویہ زندہ باد! تو کیا رومی عیسائیوں کو چڑانے کیلئے ان کے مقابلہ میں لگایا جاتا ہے؟ نہیں یہ نعرہ لگایا جاتا ہے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے مقابلہ میں جو غلط ہے، کیونکہ جب حضرت علی رضی اللہ عنہ کا موقف صحیح ہے اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا موقف غلط ہے تو ''سیاست معاویہ رضی اللہ عنہ زندہ باد'' کا نعرہ کیسے درست ہوسکتا ہے؟ دراصل یہ نعرہ ان لوگوں کی ایجاد ہے جو حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے مقابلہ میں یزید کے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے مقابلہ میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے موقف کے حامی ہیں، ان کی طرف سے یہ نعرہ ایجاد ہوا ہے وہ لوگ یہ نعرہ لگاتے ہیں جو سراسر غلط ہے''

(حکیم العصر نمبر/ ماہنامہ لولاک ملتان، جون 2015ء صفحہ نمبر 892)

یہاں پیش نظر رہے کہ اہلسنت بزرگوں کی تحریروں میں مشاجرات صحابہ کرامؓ کی بحثوں میں جہاں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے لئے غلط کا لفظ استعمال ہوتا ہے اس سے مراد وہ غلطیاں نہیں جو آج فصلی بٹیرے سوشل میڈیا پہ کر رہے ہیں، بلکہ اس سے مراد خطاء اجتہادی ہے، جو کہ عظمت کی دلیل ہے، چونکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ مہاجر صحابی ہیں، عشرہ مبشرہ میں سے ہیں، کاتب وحی ہیں، داماد نبی ہیں، خلافت موعودہ کے چوتھے تاجدار ہیں تو اس اختلاف میں آپ رضی اللہ عنہ صواب پہ ہیں اور آپ کے بالمقابل جماعت صحابہؓ اجتہادی خطاء پر ہے، اور خطاء اجتہادی میں نفسانی جذبات کا کوئی عمل دخل نہیں ہوتا لہذا جو لوگ مطلق بشری غلطی اور اجتہادی خطاء کو گڈمڈ کر دیتے ہیں وہ علم و دانش سے کوسوں دور ہوتے ہیں، بلکہ محض فصلی بٹیرے ہوتے ہیں، جن کا بندوق سے شکار نہیں کیا جاتا کیونکہ ان کا جسم ریزہ ریزہ ہوجاتا ہے، بٹیروں کا شکار جال ہی سے فائدہ مند ہوتا ہے۔

ہے کوئی شکاری جو جال بچھا کر ان بٹیر بھائیوں کو قابو کرلے؟ تاکہ ان کی بے وقت کی راگنیوں سے شاہین صفت مجاہد علماء کرام کی دستاریں محفوظ رہ سکیں، یاد رہے کہ ہمارے اس مضمون سے خفگی صرف اسی کو لگے گی جو بٹیرا ہوگا، ہم نے غلط فہمی کے ازالے کے لئے یہ سطور ارباب ذی شعور کی خدمت میں پیش کردی ہیں ہم امید کرتے ہیں کہ ان شاء اللہ ان کے پاکیزہ قلوب کو تشفی نصیب ہوگی، اللہ تعالی ہم سب کو مذہب اہل السنت والجماعت کی خدمت کرنے کی توفیق نصیب فرمائے اور عصر حاضر کے جملہ فتنوں سے ہم سب کی حفاظت فرمائے۔ اللھم آمین۔۔!

خلافت راشدہ حق چار یار (عبدالجبار سلفی 27 اگست 2022ء لاہور)

شیخ الحدیث مولانا ظفر احمد قاسم۔۔۔ایک ذہین ترین عالم دین سے دنیا خالی ہوگئی

ازقلم: عبدالجبار سلفی لاہور

آج مورخہ 9 ستمبر 2022ء کی صبح نماز فجر کے کچھ دیر بعد اطلاع موصول ہوئی کہ شیخ الحدیث حضرت مولانا ظفر احمد قاسم طویل علالت سے نبرد آزما ہونے کے بعد وہاں جا بسے جہاں جا کر کبھی کوئی واپس نہیں آیا۔ کل من علیھا فان ° ویبقی وجہ ربک ذو الجلال والاکرام °

حضرت مولانا مرحوم بے پناہ خوبیوں کے مالک تھے، جامعہ خالد بن ولید ٹھینگی موڑ وہاڑی کی عالیشان عمارت آپ کے ذوق تعمیر وہاں کا تعلیمی نظام آپ کے حسن علم اور مختلف النوع عناوین پر مشتمل ہزاروں کتابوں کی لائبریری آپ کے حسن مطالعہ کی گواہیوں کا چلتا جادو ہے، حضرت مولانا مرحوم کی ایک ایک خوبی رنگ برنگی تتلیوں کی طرح چمنستان شعور کا ماحول دیدہ زیب بنائے ہوئے ہیں اور جی چاہتا ہے کہ تمام خوبیوں کا تذکرہ انہیں سطور میں جمع کر دیا جائے مگر ایسا فی الوقت بعض اعذار کی بنا پہ غیر ممکن ہے اس لئے اس وارفتہ علم وفن کی عالی مرتبت ذات سے وابستہ چند یادیں پیش قارئین کی جاتی ہیں، حضرت مولانا ظفر احمد قاسم مرحوم قابل ترین اور طویل تدریسی تجربات رکھنے والے زیرک عالم دین تھے، درسی کتابوں کے متون، شروحات، حواشی اور تعبیرات وتوضیحات پر گہری نظر رکھنے کی وجہ سے وہ اس قدر پختگی اختیار کر چکے تھے کہ نج کی مجلسوں اور عوامی جلسوں میں بھی مشکل ترین مقامات کی چوٹیاں بہ آسانی سَر کر لیتے تھے، وہ دریائے علم کی موجوں کے ماہر تیراک رہے، بلکہ الٹے بہاؤ تیرنے کا بھی فن رکھتے تھے، دارالعلوم کبیر والا نے اپنے ماضی کے اَدوار میں جو تابناک گوہر پیدا کئے ان میں حضرت مولانا مرحوم کا نام رہتی دنیا تک تابندہ رہے گا، مولانا مرحوم کی آنکھوں میں نور علم کی ایک فتنہ خیز چمک تھی، بڑھاپے میں بھی زبان کی صفائی الفاظ کا چناؤ اور محتاط گفتگو ان کا ایسا وطیرہ رہا کہ پایہ ثقاہت سے گرا ہوا کوئی کلمہ ادا نہیں کرتے تھے، وہ اشاروں اور کنایوں میں ہی دوسروں کی کوتاہیوں کی ایسی اصلاح فرما دیتے تھے کہ ''پردہ پوشی'' خود ان کی اس ادا سے حجاب اوڑھ لیتی تھی، دوسروں کے حسن اعمال پر تحسین وآفرین کے پھول برسانا اور تواضع کے دھندلکوں میں اپنا آپ پیش کرنا ان پہ بس تھا، فیصل آباد کے ایک حضرت مولانا جنہیں اپنے مفتی ہونے کا اس قدر زعم تھا کہ افتاء کے ہارمونیم پہ گویا ان کی انگلیاں تھرکتی رہتی تھیں، انہوں نے ماہنامہ الشریعہ گوجرانوالہ میں ''برصغیر میں برداشت کا عنصر'' نامی مضمون قلمبند فرمایا، جس میں تکفیر شیعہ کی بے محل بحث شامل تھی، اور عدم تکفیر کی قیاسی بھول بھلیوں میں حضرت مولانا نے اپنی کاغذی کشتیاں چھوڑ دیں، طلسماتی اداؤں والے حضرت مولانا کی اس آوارہ فکری پہ کاتب السطور نے جوابی مضمون لکھا جو ''الشریعہ'' ہی کے صفحات پہ چھپا، جو بعد میں دوسرے رسائل میں بھی شائع ہوا، یہ ایک لمبی داستان ہے کہ پھر اس مضمون سے مزید کتنی بحثوں کے دروازے کھلے؟ اس طویل داستان کی کتھا درج کرنے سے اغماض کرتے ہوئے عرض ہے کہ کاتب السطور کے جوابی مضمون نے حضرت مولانا مرحوم کی نظر التفات کا مرجع بنا دیا، حضرت مرحوم نے کہیں سے بندہ کا موبائل نمبر حاصل کیا اور پھر ایسے محبوبانہ لب ولہجہ کے استعمال سے تائیدی وتوثیقی کلمات ارشاد فرمائے کہ بندہ بحر استعجاب کی لہروں میں غوطے کھاتے رہ گیا، حضرت مرحوم نے شفقت میں ترانہ ریز ہوتے ہوئے فرمایا کہ آپ کو مبارک ہو کیونکہ یہ آپ نے علامہ ابن تیمیہ سے اسلاف دیوبند رحمہم اللہ تعالی کی ارواح

تک کی ترجمانی کردی ہے، اب آپ کی دعوت مجھ پہ قرض ہے، فرمایئے! کب آرہے ہیں؟ حضرت مولانا کے گلے سے شیرینی کی طرح باتیں نکل رہی تھیں، بندہ نے شوق دید کا اظہار کرتے ہوئے وعدہ کرلیا مگر کچھ مصروفیات کی وجہ سے جب وعدہ وفا نہ ہوا تو اب ہر دوسرے دن حضرت مرحوم کا فون آجاتا اور وہ برابر اپنے ہاں آنے کا حکم دیتے، اسی دوران حضرت مولانا محمد نافع رحمہ اللہ کا انتقال ہوگیا، کاتب السطور نماز جنازہ میں شرکت کی غرض سے قصبہ محمدی شریف ضلع چنیوٹ حاضر ہوا، حضرت مرحوم بھی تشریف لائے ہوئے تھے، شرکائے جنازہ سے خطاب بھی فرمایا اور جب نماز جنازہ کے بعد بندہ جا کر ملا تو کچھ ایسا اظہار محبت کیا کہ ان کی محبتوں میں اچھوتے راگ سنائی دیئے، بندہ نے اپنی غیر حاضری اور وعدہ خلافی کے متعلق کچھ کہنا چاہا تو فرمایا کوئی بات نہیں مصروفیت نکل آتی ہے، یہ کہہ کر ایک بھاری تن و توش کا انعامی لفافہ بندہ کی مٹھی میں تھما دیا اور پھر زار و قطار رونے لگ گئے، بندہ نے کہا اس تکلّف کو رہنے دیجے، سرمگیں آنکھوں سے آنسو پونچھتے ہوئے برجستہ فرمایا ''عزیزم تکلف تو محبت کی قینچی ہے'' یہ تکلف نہیں، آپ کی امانت ہے، جو آپ کے سپرد کردی گئی، خدا جانے حضرت مرحوم کے ان کلمات کا تہہ منظر کیا تھا؟ بندہ مسرت و ندامت کی ملی جلی کیفیت کے ساتھ جدا ہوا، مسرت ان سے ملاقات کی تھی، اور ندامت تاخیر ملاپ کی، جو شاید ان کے کدورت قلب کا باعث بنی ہو، اس واقعہ سے پہلے 2008ء کے اواخر میں ایک معروف مذہبی مبلغ کی بعض فکری الجھنوں اور بے اعتدالیوں پہ ہم نے آٹھ اقساط میں تبصرہ کیا تھا، اب تو جدید سوشل میڈیائی لہروں نے مبلغ صاحب کی اصلیت ملک و ملّت پہ عیاں کردی ہے اور سبھی اپنے بیگانے ان سے اظہار لاتعلقی کرنے میں دَم بَدَم پیش پیش ہیں، مگر اس وقت ان کے شیریں نغموں پہ ساری قوم سر دھن رہی تھی، کیونکہ اس حسینۂ وعظ کا سحر سامری اپنے جوبن پہ تھا، بعض اپنے بھی چلمن کے پیچھے لگ کر ان کی نرگسی آنکھوں پہ دل دے بیٹھے تھے، دفاع صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پہ مبنی ہماری گھسیٹی ہوئی سطروں کو تغافل شعاریاں قرار دیا جا رہا تھا، پروپیگنڈے کی زبردست فضا وجود میں آچکی تھی، اور عقیدت کے بہاؤ میں بڑے بڑے قدآور لوگ تنکوں کی طرح بہتے نظر آرہے تھے، اس عالم کشمکش میں حضرت مولانا ظفر احمد قاسم تھے جنہوں نے فرمایا تھا کہ اگرچہ واعظ مست و مگن میرے شاگرد ہیں، مگر آپ نے ان کی جن بیاعتدالیوں پہ تبصرہ کیا ہے، میری ہمدردیاں وفاداریاں اور تمام تر اعانتیں آپ کے گلے کی حمائل ہیں، پھر حضرت مولانا نے ہی زیر بحث شخصیت کو اپنے ہاں بلا کر سرزنش کی، انہیں رجوع پہ آمادہ کیا، پھر حضرت مولانا عبدالمجید لدھیانوی علیہ الرحمہ کے لیٹر پیڈ پہ تحریر لکھ کر اپنے، حضرت مولانا لدھیانوی صاحب اور متذکرہ شخصیت کے دستخط کروا کر ہمیں فیکس کئے، فون پہ تفصیلی بات چیت ہوئی اور پھر حضرت امیر مرکزی دامت برکاتہم (مولانا صاحبزادہ قاضی محمد ظہور الحسین صاحب اظہر) کے حتمی فیصلہ پر اس مسلسل مقالہ کا اختتام کردیا گیا، مولانا ظفر احمد قاسم صاحب کے دستخطوں سے مزین اس تحریر کا عکس ماہنامہ حق چار یار لاہور کی فائلوں میں ہمیشہ حضرت مرحوم کے تصلب و غیرت مسلک کی گواہی دیتا رہے گا۔ حال ہی میں مجلہ ''صفدر'' کی جانب سے سلطان العلماء علامہ ڈاکٹر خالد محمود نمبر شائع کیا گیا جو دو ضخیم جلدوں میں ہے، حضرت مولانا مرحوم کا اہل علم سے تعلق اور مطالعہ کتاب سے شغف دیکھئے کہ برادرم مولانا محمد حمزہ خان صاحب احسانی کو وٹس ایپ پہ وائس میسج کیا، جس میں اپنا نتیجہ مطالعہ پیش کرتے ہوئے بڑی دلچسپ رائے سے نوازا، زہے نصیب کہ اس وائس میں حضرت مرحوم نے اس بے نوا کا نام لے کر اظہارِ محبت فرمایا اور مقالہ کے متعلق منصفانہ تبصرہ پیش فرمایا، اہل ذوق حضرت مولانا حمزہ خان

صاحب سے وہ میسج لے کر سن سکتے ہیں، آج جب مولانا ظفر احمد قاسم کی وفات کی خبر ملی تو گزرے ہوئے یہ مناظر ایک بار پھر تازہ ہو گئے، اور مغموم یادوں سے ہمکنار ہو کر سوچوں نے گرداب میں لے لیا ہے کہ کتنے خوبصورت نام والا ایک جید عالم دین ہم سے رخصت ہو گیا، آہ! مولانا ظفر احمد قاسم! اور ہاں ایک اور دل فریب واقعہ تو رہ ہی گیا، مگر یہ واقعہ بعض مخصوص اُودی گھٹاؤں کی وجہ سے مکمل بیان نہیں کیا جا سکتا، کیونکہ اسے سن کر ہی لطف اٹھایا جا سکتا ہے، یہ واقعہ مناظر اسلام مرحوم حضرت مولانا محمد اسماعیل محمدی، بندہ اور مرحوم شیخ الحدیث مولانا ظفر احمد قاسم کے اردگرد کسی بیتاب کوئل کی طرح کوک رہا ہے، جس قاری کا شوق ابھرے وہ بندہ سے بذریعہ کال سن کر اپنے کانوں کی لذت سماعت میں اضافہ کر سکتا ہے، سردست تو آپ سب سے التماس دعا ہے، اللہ کریم حضرت مولانا مرحوم کے بال بال کی مغفرت فرمائے، ان کی خدمات دینیہ کو شرف قبول و عروج بخشے، جامعہ خالد بن ولید کو آب و تاب کے ساتھ صبحِ محشر تک قائم و دائم رکھے، اللّٰہم آمین! حضرت مولانا مرحوم کے تبسم ریز چہرہ میت کے تصور سے فارسی کی رباعی مستحضر ہو گئی ہے اسی پہ ان سطور کو سمیٹا جاتا ہے

یاد داری کہ وقتِ زادن تُو　　ہمہ خنداں بدند و تُو گریاں

آں چناں ذی کہ وقتِ مُردن تُو　　ہمہ گریاں شوند و تُو خنداں

(مجھے تیرا وقت ولادت یاد ہے کہ سبھی تیری پیدائش پہ ہنس رہے تھے مگر تو رو رہا تھا، اور آج تیری جدائی کے دن کا یہ عالم ہے کہ سبھی رو رہے ہیں اور تو مسکرا رہا ہے) انا للہ وانا الیہ راجعون، بیشک ہم سب اللہ ہی کے بندے ہیں اور ہم سب نے اپنے اپنے نمبر پہ اللہ تعالی کے حضور پیش ہونا ہے۔

عبدالجبار سلفی لاہور/ جمعۃ المبارک 9، ستمبر 2022ء

جمعیت اشاعت التوحید والسنۃ کے ہاں چھٹی ٹولی کی ولادت

ازقلم: مولانا عبدالجبار سلفی لاہور

مورخہ 9 جنوری بروز اتوار بمقام مدرسہ تعلیم القران راجہ بازار راولپنڈی میں جمعیت اشاعت التوحید والسنۃ (مولانا سید ضیاء اللہ شاہ بخاری گروپ) کا اجلاس منعقد ہوا۔ اس اجلاس میں اور تو جو کچھ ہوا، سو ہوا، گرم خبر یہ ہے کہ جمعیت موصوفہ میں چھٹی ٹولی نے جنم لے لیا ہے۔ ابھی کچھ دن پہلے ہی ہم نے ''پانچ ٹولیوں میں بٹی جمعیت اشاعت التوحید والسنۃ'' کے نام سے اپنے خیالات کا اظہار کیا تھا۔ جس کی صدائے بازگشت ابھی بھی سنائی دے رہی ہے۔ تاہم ہمارے وہم وگمان میں یہ بات نہ تھی کہ جمعیت اشاعت ''امید'' سے ہے اور اگلے چند روز میں نئی ولادت کے شادیانے بجیں گے۔

تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ مولانا سید ضیاء اللہ شاہ صاحب بخاری نے اس اجلاس میں نہایت غور وفکر کے ساتھ مفتی منیر شاکر کو بھی دعوت دی۔ ان صاحب کا مختصر تعارف یہ ہیکہ جہاں بے عقلی اپنے تمام تر ذخیرہ ءحماقت وسفاہت کی انتہاؤں کو چھوتی ھے، وہاں سے ان کی بے وقوفیوں کی ابتدا ہوتی ہے۔ سوال پیدا ہوتا ہے کہ ایسے مستند اور متفق علیہ بیوقوف کو شاہ صاحب نے اجلاس میں کیوں بلایا؟ اور میزبان مکرم مولانا اشرف علی صاحب نے شاہ صاحب کے فیصلے کی کیسے تائید کردی۔

جہاں تک مولانا اشرف علی صاحب کی ذات کا تعلق ہے، وہ ایک سادہ طبع شخصیت ہیں۔ ان کے اندر صرف ایک خاصیت ہے کہ ان کی رگوں میں شیخ القرآن حضرت مولانا غلام اللہ خان صاحب رحمہ اللہ کا لہو رواں ہے۔ اگرچہ سانحہ راجہ بازار کے بعد جمعیت اشاعت کی مسلسل بے حسی اور جمود نے اب کافی حد تک اس خون کو منجمد کردیا ہے اور طبعی طور پر مولانا اشرف علی، مولانا فضل الرحمٰن صاحب کی جمعیت میں آنے کے لیے تڑپنے پھڑکنے کی توفیق مانگ رہے ہیں۔ نیز مکمل طور پر تو نہیں، کافی حد تک اس میں کامیاب بھی ہو چکے ہیں۔۔۔

مولانا ضیاء اللہ شاہ صاحب نے منیر شاکر صاحب کو اس لیے دعوت دی تاکہ پنج پیر کے مولانا محمد طیب صاحب کو تپش دی جاسکے۔ کیونکہ پچھلے چند سالوں سے مولانا طیب صاحب اور منیر شاکر صاحب میں مخالفت کے شعلے خوب بھڑک رہے ہیں۔ پہلے پنج پیر کے سالانہ اجتماع میں منیر شاکر صاحب خاص مقررین میں شمار ہوتے تھے۔ وہاں پشتو زبان میں ان کی گرم گرم تقریر ہوتی تھی، مگر پھر اچانک کیسٹ کی سائیڈ بدلی تو منیر شاکر صاحب نے مولانا محمد طیب صاحب کے خلاف پشاور میں اپنی ایک پریس کانفرنس میں الزام عائد کیا تھا کہ پنج پیر والے خفیہ اداروں کے تعاون سے ہمارے بندے اٹھا لیتے ہیں اور ہمیں زدوکوب کرکے پریشان کرتے ہیں۔ اس مخالفت کے تناظر میں منیر شاکر کئی دنوں سے اپنی پٹاری میں مخمور تھے کہ اچانک مولانا سید ضیاء اللہ شاہ صاحب بخاری نے بانسری بجائی تو منیر شاکر صاحب اپنے ''مفتی'' کے جملہ اثاثوں کے ساتھ راولپنڈی وارد ہوئے۔ لبوں پہ مصنوعی سی موج تبسم سجائے حسب اعلان مائیک پہ ایستادہ ہوئے۔ مگر وہ ہوا، جس کی توقع مولانا سید ضیاء اللہ شاہ صاحب کو نہ تھی کہ ایسا بھی کچھ ہوسکتا ہے؟

منیر شاکر صاحب کا جب نام پکارا گیا تو اپنی جگہ سے وہ یوں اٹھ کر مائیک پہ آئے جیسے چند ماہ قبل اشرف غنی کابل سے پھدک کر ازبکستان پہنچے تھے۔ انہوں نے آتے ہی جارحانہ انداز میں خطبہ پڑھا اور مولانا ضیاء اللہ شاہ صاحب کے لتے لینے شروع کر دیئے۔ موصوف نے کہا کہ یہ کیا سب نے ''اشاعت، اشاعت'' کی رٹ لگا رکھی ہے۔ اشاعت کو بچانے کی کوئی ضرورت نہیں۔ اشاعت بچے یا نہ بچے ہم نے ''توحید اور سنت'' کو بچانا ہے۔ ساتھ ہی یہ بھی کہا کہ پہلے مولانا احمد سعید خان کو غیر دستوری طور پر جمعیت اشاعت سے نکال کر زیادتی کی گئی تھی۔ یہ سن کر مولانا سید ضیاء اللہ شاہ بخاری کے جسم کے پیچ وخم ابھرنے لگے۔ اور ان کی دوسری جانب بیٹھے مولانا عطاء اللہ صاحب بندیالوی کبھی منیر شاکر صاحب کو اور کبھی حاضرین اجلاس کی جانب یوں دیکھ رہے تھے جیسے بے مغز اتھانیدار اپنی کرسی پہ بیٹھا مدعی اور ملزم کو دیکھ رہا ہوتا ہے۔

خیر منیر شاکر صاحب نے اپنی گفتگو میں مولانا ضیاء اللہ شاہ صاحب کی ڈاڑھی وغیرہ کے حوالہ سے بھی تنقید کی اور پھر نہایت غصہ میں آ کر کہا: ''یہ بھی کوئی جماعت سازی ہے، میرا باپ فوت ہوا تو کسی نے فون پہ بھی تعزیت نہ کی'' اس بندہ خدا سے کون کہے کہ اب کونسا آپ کو کسی رتبے کی بنا پہ لایا گیا ہے؟ وہ تو اللہ بھلا کرے پنج پیر والوں کا، کہ انہوں نے تیسری ٹولی تشکیل دی تو اب شاہ صاحب نے ان کو زرا گرمائش دینے کے لیے آپ کو مدعو کیا ہے۔

تسلیم کہ مولانا سید ضیاء اللہ شاہ صاحب گھاگ قسم کیا آدمی ہیں۔ اڑتی چڑیا کے پر گننے کا فن جانتے ہیں۔ مگر منیر شاکر صاحب کی بے مثل حماقتوں نے شاہ صاحب کی ٹلی بجا کر رکھ دی۔ اب مولانا سید ضیاء اللہ شاہ صاحب بخاری کھڑے ہوئے اور منیر شاکر کے ڈھیلے پرزوں کو کسنے اور جوڑنے کی تمہید باندھ ہی رہے تھے کہ آگے بیٹھے ہوئے منیر شاکر مغضوب الغضب ہو کر بولے ''حضرت مجھے نہ کوسیں ایجنڈے پہ بات کریں'' گویا وہ خود ایجنڈے کے مطابق گفتگو کر کے گئے تھے بس پھر کیا تھا، شاہ جی گرم ہوتے چلے گئے اور ارشاد فرمایا ''وہ میجر عامر تھا جو تمہاری باتیں سن کے ہنس پڑتا تھا، اب تمہیں جس سے پالا پڑا ہے وہ ضیاء اللہ شاہ بخاری ہے۔

کاتب السطور اس موقع پر یہ کہے بنا نہیں رہ سکتا کہ جناب شاہ صاحب اب تک آپ نے مولانا محمد علی جالندھری، مولانا قاضی مظہر حسین، مولانا محمد سرفراز خان صفدر، مولانا علامہ خالد محمود اور مولانا محمد امین صفدر اوکاڑوی رحمہم اللہ جیسے سلاطین علم وفضل اور مجسمہائے حلم وصبر سے ماتھا لگائے رکھا تھا، جو آپ کی تمام تر غیر سنجیدہ حرکتوں کو ہنس کے ٹال جایا کرتے تھے، مگر ان کے صبر نے اب اشاعتی چڑیلیں آپ کے پیچھے لگا دی ہیں، منیر شاکر جیسے منہ زور بھینسے، خضر حیات بھکروی جیسے لگڑ بگڑ، کلیم اللہ جیسے چمگادڑ، اور سجاد الرحمن، عمر حیات، اور ان جیسے لاتعداد بے چارے کٹے کے منہ پر ملائی کا لیپ کر کے خود دودھ غڑپ غڑپ کر پی جانے والے شرارتی بندروں کے ہاتھوں شاید آپ کی عزت سادات اب گاہے بگاہے ایسے ہی رلتی تلتی نظر آئے گی (خدا نہ کرے کہ ایسا ہو، کیوں کہ شاہ صاحب بہر حال قابل عزت ہیں۔ اور سیانے کہتے ہیں کہ خاندانی اور مکرم دشمن کا مل جانا بھی کسی نعمت سے کم نہیں ہے)

بہر کیف اجلاس کی کارگزاری یہاں تک ہی پہنچی تھی کہ پھر کیمرے بند کروا دیئے گئے۔ لائٹیں بجھا دی گئیں۔ اور جمعیت اشاعت کی شام غریباں کا مرحلہ شروع ہوا، جس کی روئیداد ہمدم دیرینہ کی فراہم کردہ اگلی معلومات کے آنے تک ہم اجازت چاہیں گے۔ مگر اس

سے پہلے مولانا عطاء اللہ صاحب بندیالوی کے ایک ارشاد پہ ہلکا سا تبصرہ پیش قارئین کریں گے۔

بندیالوی صاحب نے اپنی متحارب ومخالف ٹولیوں سے مخاطب ہوتے ہوئے کہا کہ یہ کیا طریقہ ہے کہ قرآن مجید کی وہ آیات آج تم اپنوں (اشاعت التوحید والسنۃ) پر فٹ کرتے چلے جارہے ہو، جو یہودیوں اور منافقوں کے متعلق تھیں جناب بندیالوی صاحب ''ہے یہ گنبد کی صدا جیسی کہی ویسی سنی'' کے مصداق کیا مولانا سید عنایت اللہ شاہ صاحب بخاری مرحوم اوران کی نگرانی وپشت پناہی سے اشاعت کے بے لگام مقررین یہودیوں، منافقوں اور بت پرستوں والی آیات اسلاف اہل سنت دیوبند پہ فٹ نہیں کیا کرتے تھے؟ کیا علمائے دیوبند کو ساری زندگی ''ابوجہل کا ٹبر'' نہیں کہا جاتا رہا؟۔۔۔کیا نام لے لے کر نامی گرامی علمائے دیوبند کی تضحیک وتحقیر کے ساتھ جلسوں میں سامعین کو بہشت کے جھانسے نہیں دیئے گئے؟ اگر جواب ''نہیں'' میں ہے تو پھر ایک مرتبہ اپنی یادداشت پر زور دیجے، اور اگر ''ہاں'' میں ہے تو پھر اپنے ہاتھوں کی لگائی ہوئی یہ گرہیں اب آپ کو دانتوں سے کھولنا ہی پڑیں گی۔

تاہم اس امر کا ہمیں افسوس ہے کہ اب جبکہ تعفن وتعصب کی یہ گرہیں مضبوط ہوچکی ہیں۔ جمعیت اشاعت التوحید والسنۃ کی جملہ ٹولیوں کے کارپردازان کے دانت جواب دے چکے ہیں۔۔۔منیر شاکر نامی مفتی صاحب کی حالیہ ہڑبونگ کے بعد ان کے ہم خیال مولانا سید ضیاء اللہ شاہ صاحب بخاری کے خلاف صف آراء ہوچکے ہیں اور اب اعلان عام ہونا باقی ہے۔ جو جلد متوقع ہے۔

فاعتبروا یا اولی الابصار! (عبدالجبار سلفی لاہور/مورخہ 10 جنوری 2022ء)

پانچ ٹولیوں میں بٹی جمعیت اشاعت التوحید والسنت

از قلم: عبدالجبار سلفی لاہور

اس وقت کی مصدقہ وثقہ اطلاعات کے مطابق جمعیت اشاعت التوحید والسنت چار ٹولیوں میں تقسیم ہو چکی ہے، اس حوالہ سے ماضی قریب کی تاریخ سے دلچسپی رکھنے والے بعض باذوق حضرات کی فرمائش پہ چند سطور قلمبند کی جا رہی ہیں۔

نمبر 1:۔ ٹولی کے سربراہ مولانا سید ضیاءاللہ شاہ صاحب بخاری ہیں، اور انکے جتھہ میں مولانا اشرف علی (ابن حضرت مولانا غلام اللہ خان صاحب رحمہ اللہ)، مولانا عطاء اللہ صاحب بندیالوی، اور مولانا سید شفاء اللہ بخاری (ابن مولانا ضیاءاللہ شاہ صاحب بخاری) سرفہرست ہیں، مولانا ضیاء اللہ شاہ صاحب بخاری مولانا سید عنایت اللہ شاہ صاحب بخاری مرحوم کے اکلوتے فرزند ہیں، لیکن یہ اپنے والد صاحب کی وفات کے بعد اشاعت التوحید کے پرانے چھکڑے کو کھینچنے میں اس لئے ناکام رہے کہ شاہ صاحب مرحوم کی زندگی کا جب چراغ ٹمٹما رہا تھا تو تب جماعت کے نامی گرامی واعظ، جنہیں شاہ صاحب کی تھپکیوں نے سحرالبیان، فصیح اللسان، شیریں زباں حتی کہ مناظر اسلام وغیرہ وغیرہ کے بھاری بھرکم القابات سے نواز رکھا تھا، نے اختلافات کا آغاز کر دیا تھا، ان کا اسم شریف مولانا احمد سعید خان ہے، مرحوم کی زبان تڑک بھڑک اور خطیبانہ شعلہ نوائیوں سے برق خرمن کا کام کرتی تھی اور اسلاف امت پہ انکے بے رحمانہ حملوں کے وار سے جمعیت اشاعت کے چراغ جلتے تھے، مولانا احمد سعید صاحب کبیر والہ کے ایک قصبہ ''چتروڑ گڑھ'' کے رہنے والے تھے، جن دنوں انہوں نے اشاعت التوحید کے اسٹیج سے اپنے سریلی آواز کے ذریعے جادو پھیلانے کا آغاز کیا تھا، تو تب کبیر والا ضلع ملتان میں شامل تھا (اب ضلع خانیوال میں ہے) اس لئے وہ ''علامہ احمد سعید خان ملتانی'' کے نام سے معروف رہے، زیر نظر مضمون کو طوالت سے بچانے کیلئے فی الوقت انکی علمیت، لیاقت، یا استعداد پہ تبصرہ کرنے سے گریز کیا جا رہا ہے، انہوں نے ایک بار اپنی تقریر میں ببانگ دہل فرمایا تھا ''تعویذات لکھنے، اور لکھانے والے سبھی لعنتی اور حرام خور ہیں'' یاد رہے کہ یہ لب ولہجہ انہیں حضرت شاہ صاحب کی آشیرباد سے مدتوں کی ریاضتوں اور صحبتوں کے بعد نصیب ہوا تھا وہ اپنی اسی ''زبان دانی'' پہ مشتمل خطابت کے جواہر بکھیر رہے تھے کہ سامعین میں سے ایک شخص نے سوال داغا ''علامہ صاحب تعویذ تو بڑے شاہ صاحب (مولانا سید عنایت اللہ شاہ بخاری) بھی دیتے ہیں، اور پھر اپنے گلے میں لٹکے تعویذ کو گریبان سے باہر نکال کر کہا، یہ تعویذ شاہ صاحب ہی کا عطا کردہ ہے، تو مولانا احمد سعید خان صاحب ترت بولے'' اگر شاہ جی نے یہ تعویذ دیا ہے تو وہ بھی۔۔۔ (اگلی بات اشاعتی احباب خود ہی دہرالیں، کیونکہ اختلاف فکر ونظر کے باوجود ہم تو انکے متعلق نقل حوالہ کے طور پر بھی وہ الفاظ نہیں دہرانا چاہتے) یہ نوبت یہاں تک پہنچی تو اب اشاعت التوحید کی مجلس مقننہ نے شاہ جی کی سرپرستی میں ایک ہنگامی اجلاس بلا کر مولانا احمد سعید خان کا جماعت سے خروج لگا دیا، اور پھر انکے خلاف ایک کتاب بھی چھپی، جسکا نام ''خس کم جہاں پاک'' تجویز ہوا اور اسکی ترتیب مولانا افضل ضیاء لالہ موسیٰ والوں کے سپرد کی گئی، جو ان کے قلمی یا فرضی ''محمد الفضاذ'' کے نام سے منصۂ شہود پہ لائی گئی تھی، یہ کتاب حاصل کرنے کیلئے بندہ اور مولانا محمد اسماعیل محمدی مرحوم شاہ فیصل گیٹ گجرات سے لینے گئے تھے اور دو نسخے وصول کئے تھے، اسکی

بھی ایک دل ربا روئیداد ہے جو بخوف طوالت ترک کی جارہی ہے ''خس کم جہاں پاک'' نامی کتاب کے جواب میں مولانا احمد سعید خان نے بھی اپنے کرایہ کے ایک مرتب سے ''نظریہ امام انقلاب'' نامی کتاب چھپوائی تھی جو کاتب السطور کے پاس موجود ہے، خلاصہ کلام یہ کہ شاہ صاحب کے خروج لگانے کے بعد مولانا احمد سعید صاحب نے ''مرکزی اشاعت التوحید والسنت'' کے نام سے اپنا الگ گروپ تشکیل دے دیا، انہیں ایام (1999ء) میں شاہ صاحب کا انتقال ہوگیا، تو مولانا احمد سعید نے سرتال پہ تھرکنے والے اپنے سامعین کی تنظیم سازی کی، جنہوں نے موصوف کی گمراہیوں اور بے پرکیوں کا ہر جگہ دفاع کیا اور انہیں سامعین کے جلو میں وہ انتقال کر گئے، انکی نماز جنازہ میں صرف انہیں لوگوں نے شرکت کی تھی جو مولانا احمد سعید خان صاحب کی لن ترانیوں پہ سر دھنتے تھے، مولانا سید ضیاء اللہ شاہ صاحب بخاری یا جمعیت اشاعت التوحید کا کوئی اور سرکردہ بندہ شامل نمازہ جنازہ نہ ہوا تھا۔

نمبر 2:۔ مولانا احمد سعید خان کی وفات کے بعد اب انکے گروپ یعنی ''مرکزی اشاعت التوحید والسنت'' کی امارت مولانا احمد سعید خان کے بیٹے قاری کلیم اللہ خان کے سپرد ہوئی، ان کو پھیکی، بے روح، ب وزن اور مردہ کلامی اپنے والد صاحب گرامی سے بطور وراثت منتقل ہوئی۔ مولانا احمد سعید خان جیسے کیسے بھی تھے، رسمی عالم تو تھے، لفاظی اور خطابت کے فن سے شناسائی بھی تھی، لہجے کے استعمال سے شد بد اور آواز کے اتار چڑھاؤ کی سدھ بدھ بھی تھی، متروک سرائیکی محاورے اور لچھے دار جملے کہنے کے دھنی تھے، اپنی تقریروں میں قرات سبعہ عشرہ سے الگ تھلگ ایک دیسی قرات متعارف کروانے میں بھی کامیاب رہے، مگر قاری کلیم اللہ نے صرف کتا، دلا، حرام دا، سور دا بچہ، میں حرام دی موت مراں، توں کتے دی موت مریں، کافر، مشرک، خنزیر، بے ایمان، قرآن دا دشمن وغیرہ وغیرہ جیسے قبیح اور الفاظ کے غلط استعمال کو ہی خطابت کی معراج سمجھا، چنانچہ اپنے والد کے تیار کردہ لوگوں کو ایک ایک کر کے خود سے دور کر دیا اور الم غلم کی بک بکا سے اپنی جماعت میں فقط اپنے دو بیٹوں سعد کلیم اور اسعد کلیم کو باقی رکھا، اب جمعیت اشاعت التوحید والسنت کے اس دوسرے گروپ سے ایک تیسرا گروپ نمودار ہوگیا

نمبر 3:۔ اس دوسرے اور تیسرے گروپ میں زیادہ (بلکہ تمام تر) بے سرے اور بے ڈھبے قوال نما واعظین کی بہتات ہے، بالخصوص تیسری ٹولی میں گھسیارے، بھٹیارے، اور گفتگو کے واجبی ادب وآداب سے بھی عاری مبلغین کی کثرت ہے، اس ٹولی کی سربراہی خیر سے ڈیرہ اسمٰعیل خان کے کسی ''قاری عمر حیات ڈیروی'' کے مقدر میں آئی ہے، یہ موصوف تقریر ''گاتے'' ہیں، اس ٹولی کی تمام تر قیادت کے لیاقت علمی کی روشن دلیل یہ ہے کہ ان میں سے کسی کو بھی اردو نہیں آتی، اور یہ سب ملتان، جھنگ، میانوالی، سرگودھا اور پیر محل کی بولیوں اور لہجوں کا اچار بنا کر خطاب فرماتے ہیں، اور غائیں غائیں، آئیں آئیں، بھائیں بھائیں کی مدد سے توحید وسنت کی خدمت کر رہے ہیں، قاری کلیم اللہ کی ٹولی پہ الزام ہے کہ اس نے ساہیوال وغیرہ میں مرکز کے نام سے چندوں کا غبن کیا ہے، جبکہ کلیم اللہ ٹولی کا کہنا ہے ''قاری عمر حیات'' ٹولی جماعت کا پچاس ہزار روپیہ کھا گیا ہے، سو اس ''اجتہادی وعلمی'' اختلاف کے تناظر میں مرکزی اشاعت دو حصوں میں بٹ گئی، گویا اب کل تین پارٹیاں ہوگئیں، ایک کشتی کے ملاح مولانا سید ضیاء اللہ شاہ صاحب بخاری، دوسری کے قاری کلیم اللہ اور تیسری کے قاری عمر حیات ڈیروی ہیں، اب چوتھی ٹولی جو ظہور پذیر کوئی ہے اس کا حال ملاحظہ کیجئے:

نمبر 4:۔ چوتھی ٹولی کے امیر پنج پیر ضلع صوابی کے مولانا محمد طیب صاحب ہیں مولانا محمد طاہر پنج پیری کے صاحبزادہ ہیں، مولانا طاہر پنج پیری جمعیت اشاعت التوحید والسنت کے بانی رہنماؤں میں شمار ہوتے ہیں، انکے بیٹے مولانا محمد طیب صاحب پہلے تو مولانا ضیاء اللہ شاہ صاحب بخاری کی ٹولی کے مرکزی امیر تھے، اب خدا جانے کیا اختلافات ہوئے کہ انہوں نے اپنی الگ جمعیت اشاعت التوحید والسنت قائم کردی ہے اور اسکے امیر منتخب ہو گئے ہیں، بنیادی طور پر تو یہ سارے بزرگ جبروتی اور طاغوتی مزاج کے ہیں، مگر اس ٹولی میں ایک صاحب ''خضر حیات'' کر کے معروف ہیں، نہ ان کی شکل عالمانہ ہے اور نہ عقل فاضلانہ ہے، بیہوہ گفتگو کرنے میں ''قادر الھفوات'' ہیں، ان کی نشتر زنیوں سے حجۃ الاسلام مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ سے لے کر موجودہ دور میں مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب زید مجدھم اور اکابرین دعوت وتبلیغ تک کوئی بھی محفوظ نہیں ہے یہ صاحب حلیہ سے ٹرک ڈرائیور لگتے ہیں, اور بکنے بولنے میں ''سلسل البول'' کے دائمی مریض! سنا ہے کہ سوشل میڈیا پہ اپنی تھیٹر پارٹی متعارف کرواتے رہتے ہیں، یہ چوتھی ٹولی کے مناظر اعظم کے طور پہ لانچ ہوئے ہیں، حالانکہ موصوف بدمعاشوں کی حجامت بنانے والے اُسترے سے زیادہ وقعت نہیں رکھتے۔ اس ٹولی میں تیسرے بزرگ مولانا احمد سعید خان کے بڑے بیٹے مولانا عصمت اللہ خان ہیں، انکی اپنے دوسرے بھائیوں سے اَن بَن ہوئی تو یہ پہلے تو الگ سے کٹی پتنگ کی طرح اِدھر اُدھر لڑھکتے رہے مگر اب اس چوتھی ٹولی میں دستار قیادت سجائے مذاق منڈی میں دستیاب ہیں، ان چاروں کے بعد ایک پانچویں کشتی کا اکیلا ملاح اور بھی یہاں وہاں چپو پہ چپو چلا کر توحید وسنت کی خدمت میں منہمک ہیں، یہ رحیم یار خان کے جاجروی خاندان کے ایک بزرگ ہیں، ان کے پیچھے ''مفتی'' کی دُم بھی زمین پہ گھسٹتی دکھائی دیتی ہے، اور یہ جمعیت اشاعت التوحید والسنت کے بنیادی بزرگ مولانا عبدالغنی جاجروی مرحوم کے بیٹے ہیں، ان کا تازہ ارشاد اور فتوی ان کی نئی پارٹی کی نوید سنا تا یوں سنا گیا ہے کہ بریلوی مشرک تو ہیں مگر غیر کتابی مشرک نہیں بلکہ کتابی مشرک ہیں، فلہٰذا ان اہل کتاب کی ذبیحہ حلال ہے اور لڑکی کا رشتہ لینا جائز، البتہ رشتہ دینا حرام قطعی، واللہ اعلم بالصواب۔

ان پانچوں پارٹیوں کی باہم گتھم گتھی اور چھینا چھپٹی میں ایک چیز قدر مشترک ہے اور وہ ہے سرکار دو جہاں صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات فی القبر اور سماع عند القبر کا صریح انکار، اور اسلاف امت پہ مسلسل گولہ باری! لہذا ان حالات میں احباب دعا فرمائیں کہ اشاعتی حلقوں کی ان پانچ ٹولیوں کو اللہ تعالی مزید اولاد بخشے اور یہ غیر فطری طور طریقوں سے لمحہ لمحہ اور پل پل ٹولیاں جنتی رہے، کیونکہ انکے منقسم رہنے میں امت مسلمہ کی عافیت و بقا ہے اور متحد رہنے میں امت کیلئے سامان شر وفساد ہے، بایں ہمہ دعاؤں کا سلسلہ بھی جاری رکھیں کہ اللہ تعالی انکو اور ہم سب کو ہدایت ابدی نصیب فرمادے اللھم آمین!

جمعیت اشاعت التوحید والسنت کے جملہ دھڑوں سے ہماری گزارش ہوگی کہ کم وبیش ساٹھ سال قبل ایک اتفاقی نظریہ کو اختلافی بنا کر اکابرین امت اور زعمائے دارالعلوم دیوبند کے خلاف جو ناٹک رچا کر متشدد لوگوں کی پیداوار سے دھما چوکڑی مچائی گئی تھی وہی متشدد نسلیں اب جمعیت اشاعت التوحید والسنت کے گلے پڑ گئے ہیں، جبکہ اکابرین دیوبند کے افکار، عقائد، مزاج مسلکی اور وقار ملی پہلے سے بھی زیادہ تابناک ہیں اور انکی عزت وتوقیر میں ان شاء اللہ قیامت تک اضافہ ہی ہوگا۔ والسلام حافظ عبدالجبار سلفی لاہور

27 دسمبر 2021ء بروز سوموار

شیخ مدنیؒ کا سر اونچا

از قلم: مولانا حافظ عبدالجبار سلفی لاہور

مورخہ 13 جنوری 2022ء کے روزنامہ جنگ میں جناب بلال الرشید کا کالم شائع ہوا ہے، گزشتہ کئی دنوں سے فاضل کالم نگار دنیا کی بے ثباتی، فکرِ آخرت اور دینِ اسلام سے متعلقہ حوصلہ افزا کالم لکھ رہے تھے، جس کی بنا پہ بندہ ان کا کالم پڑھ کر ساتھ ہی اپنی رائے ان کو ان کے وٹس ایپ پہ سینڈ کر دیتا تھا، اور رائے سے مطلع ہو کر وہ فوراً شکریہ وغیرہ کا جوابی میسج بھی اِرسال کر دیتے تھے، ان کے اس اَخلاقی تقاضوں سے آشنا طبیعت نیز دینِ اسلام سے فطری مَحبّت اور پھر الحاد کے تھپیڑوں میں دفاع دین کے جذبات سے کاتِب السُّطور کے دل میں ان کی مَحبت پیدا ہو گئی تھی، مگر آج اچانک جب حسبِ معمول صبح کا اخبار دیکھا تو موصوف کا کالم پڑھ کر قلبی صدمہ پہنچا کہ ہمارا یہ جوان بھائی ماضی بعید میں پیدا ہو جانے والی ایک غلط فہمی کی بنا پہ اغیار کی پیالی میں بَپا کردہ طوفان کی نذر ہو گیا، کاش وہ یہ کالم شائع کروانے میں عُجلت کا مظاہرہ نہ کرتے اور بھرپور تحقیق و تشفّی کے بعد قلم اٹھاتے تو شاید ان کے کالم میں ضرورت سے زیادہ جذباتیت، حقائق سے ناواقفی کی ظاہر ہوتی سُبکی، اور بے جا رسمی قسم کی خود اعتمادی نہ چھلکتی۔

فاضل کالم نگار نے ایک بار پھر دین بیزار لوگوں کے اٹھائے ہوئے عنوان ''مُلّا و مسٹر میں تفریق'' کے متشدّدانہ فلسفے کو اپنے قلمی چھانٹوں سے زندہ کرنے کی کوشش کی ہے، مگر وہ بھول گئے کہ مردہ گھوڑے چھانٹوں سے کبھی زندہ نہیں ہوتے، فاضل کالم نگار نے شیخ الاسلام، شیخ العرب والعجم حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی علیہ الرحمہ کے متعلق علامہ ڈاکٹر اقبال مرحوم کے فارسی اشعار کو دہرایا ہے اور بے اکرامی و تحقیر کے لہجے میں حضرت شیخ مدنی کا تذکرہ کیا ہے، ہم خدانخواستہ فاضل کالم نگار کی جناب سے شیخ مدنی کی عزت و احترام کی بھیک مانگنے کے جذبہ سے یہ سُطُور نہیں لکھ رہے، اور نہ ہی شیخ مدنی رحمۃ اللہ علیہ کی رفیع المرتبت ہستی کو دیمک زدہ لاٹھیوں کا سہارا لے کر عزتیں پانے کی کوئی حاجت ہے، مگر تاریخی حقائق سے آگاہ کرنا ہمارا حق ہے، اسلاف کی پگڑیوں کی حفاظت کرنا ہمارا فرض بھی ہے اور قرض بھی!

یہ سُطُور پڑھنے کے بعد اگر فاضل کالم نگار کی رائے سے پیدا شدہ شُبہات زائل ہو جاتے ہیں، تو ہماری کامیابی ہے اور بالفرض زائل نہیں ہوتے تو بھی ناکامی کا کوئی سوال نہیں کیونکہ آفتاب نِصفُ النَّہار کو اپنی اَن گِنت کِرنوں کا وجود منوانے کے لئے کسی کے دفاع کی ضرورت نہیں ہوتی، فاضل کالم نگار نے اقبال مرحوم کے جن اشعار کو پیش کیا ہے پہلے ذرا اُن کا شانِ وُرُود پڑھ لیجئے کہ ان کے تخیّل کا پرندہ شیخ مدنی علیہ الرحمہ کی کس بات پہ پھڑ پھڑایا تھا؟

یہ 8 جنوری 1938ء کی ایک شَب تھی کہ دہلی کے صدر بازار کے ایک بڑے اجتماع میں حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی نے خطاب فرماتے ہوئے کہا تھا کہ ''قومیں موجودہ زمانے میں اَوطان سے بنتی ہیں، نسل یا مذہب سے نہیں بنتیں'' اگلے روز بعض مسلم لیگی اخبارات میں اس بیان کو غلط انداز میں شائع کیا گیا کہ مولانا مدنی کہتے ہیں ''قومیت وطن سے ہوتی ہے مذہب سے نہیں ہوتی'' ان اخبارات میں روزنامہ ''الاَمان'' اور ''احسان'' وغیرہ پیش پیش تھے، پھر ایک شورش بپا ہو گئی، اور ہر طرف سے آوازے کسے جانے لگے کہ

اب جبکہ کلمہ طیبہ کی بنیاد پہ الگ مَمْلَکَت کے حصول کے لئے تقسیمِ ہند کی جدوجہد چل رہی ہے تو مولانا مدنی فرماتے ہیں کہ مذہب کے نام پہ تو قوموں اور ملکوں کا وجود ہی نہیں ہوتا۔

کہتے ہیں کہ جب زہریلی ہوا چلتی ہے تو وہ چیونٹیوں کی بِلوں میں بھی گھس جاتی ہے، چنانچہ علامہ اقبال مرحوم، جوان دنوں بسترِ عَلالَت پہ تھے بھی اس افواہ سے متاثر ہو گئے اور انہوں نے حضرت مدنی علیہ الرحمہ کی ہَجْو میں تین فارسی اشعار کہہ ڈالے، وہی اشعار ہمارے فاضل کالم نگار بھائی نے اپنے کالم میں درج کئے ہیں یعنی

عجم ھنوز نہ داند رموز دیں ورنہ — ز دیوبند ایں چہ بوالعجبی است ؟

سرود برسر منبر کہ ملت از وطن است — چہ بے خبر ز مقام محمد عربی است

بہ مصطفی برساں خویش را کہ دین ہمہ اوست — اگر بہ او نرسیدی تمام بولہبی است

اقبال مرحوم نے یہ اشعار اس قدر جوش وعُجلت اور جلدی میں کہے تھے کہ عالَمِ اسلام کے اتنے بڑے باکمال اور دانا وکُہنہ مَشْق شاعر کو خواجہ حافظ شیرازی کے دِیوان سے ان کی ایک غزل کی زمین، بحر وقوافی اور انداز مُستعار لینا پڑا، یعنی

حسن ز بصرہ بلال ز حبش صہیب از روم — ز خاک مکّہ ابوجہل ایں چہ ابوالعجبی است

بہرکیف اخبارات وجرائد میں جانبین سے بیان بازی شروع ہوگئی، اُدھر اقبال مرحوم کے ہم خیال اور اِدھر شیخ مدنی علیہ الرحمہ کے عقیدت مند، اور پھر علمی بنیاد پہ پیدا ہونے والے ایک اشکال کو اس دَور کے کم ظرف مسلم لیگیوں نے خوب اُچھالا اور نت نئے انداز میں سفرِ شرارت کی اگلی منزلوں کی جانب جادہ پیما ہو گئے، اس زمانہ میں حضرت شیخ مدنی رحمۃ اللہ علیہ کے ایک عاشق زار مولانا سید عزیز احمد قاسمی (متوفی 1409ھ) کا ایک شعر بہت مشہور ہوا تھا

''خموش شاعر گستاخ قدر خوش شناس — ز حد خویش گزشتن کمال بے ادبی است''

اس دوران حضرت شیخ مدنی علیہ الرحمہ نے اپنے بعض خطابات میں اشتعال کی آگ کو ٹھنڈا کرنے کی غرض سے اپنے کلمات کی وضاحت بھی فرمائی جیسا کہ ''مکتوبات شیخ الاسلام'' کی جلد نمبر 3 کے صفحہ 125 پہ ہے

''کیا یہ انتہائی تعجب کی بات نہیں ہے کہ ملّت اور قوم کو سر اقبال ایک قرار دے کر ملت کو وطنیت کی بنا پر نہ ہونے کی وجہ سے قومیت کو بھی اس سے مُنزّہ قرار دے رہے ہیں؟ یہ بوالعجبی نہیں ہے تو کیا ہے؟ زبان عربی اور مقام محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم سے کون بے خبر ہے؟ میں نے اپنی تقریر میں لفظ قومیت کا کہا تھا، ملّت کا نہیں کہا ہے، دونوں لفظوں میں زمین وآسماں کا فرق ہے، ملت کے معنی شریعت اور دین کے ہیں، جبکہ قوم کے معنی عورتوں اور مردوں کی جماعت کے ہیں''۔

اسی دوران حضرت مولانا سید سلیمان ندوی مرحوم کا ایک مقالہ ''اخبار مدینہ'' بجنور میں بابت 13 اپریل 1938ء کو چھپا جس میں انہوں نے حضرت مدنی علیہ الرحمہ کی اس قدر بے باکانہ وَکالت کی کہ سلسلۂ مکروفریب کے گھروندے پاش پاش ہو گئے، مولانا ندوی نے لکھا تھا

''جناب مولانا حسین احمد مدنی کے سیاسی خیالات سے کسی کو کتنا ہی اختلاف ہو، مگر وہ ان کی شخصی عزت واحترام، علمی فضل وکمال اور تقویٰ اور حُسنِ نیت کی نسبت ایک لمحے کیلئے بھی کوئی خلاف بات گوارا نہیں کی جاسکتی''۔

اسی دوران ایک معروف شاعر جناب اقبال سہیل کی جوابی نظم نے اڑتے پرندوں کے پَر کتر کر رکھ دیئے تھے، اور مخالفین شیخ مدنی اپنی اپنی مُنڈیروں پہ بیٹھے بیٹھے ہی بے کس کبوتروں کی طرح ایک ایک کر کے ذبح ہونا شروع ہو گئے تھے، کیونکہ اقبال سہیل کی نظم ہر لحاظ سے علامہ اقبال مرحوم کی نظم کا جواب تھی، یہ نظم بیس فارسی اشعار پہ مشتمل تھی اسکا مطلع اور مقطع ملاحظہ کیجے

معاندے کہ بشیخ الحدیث خردہ گرفت — سبک بچشم فروزایں سباب بے سببی است

کہ گفت برسر منبر کہ ملت از وطن است — دروغ گوئی وایرادایں چہ بوالعجبی است

مقطع یہ تھا

بگیر راہ حسین احمد ار خدا خواہی — کہ نائب است نبی راوہم زآل نبی است

اسی دوران ایک اور شخصیت میدان عمل میں اتری جس نے اقبال مرحوم اور شیخ مدنی علیہ الرحمہ کے مابین پیدا ہو جانے والی اس خلیج کو ختم کروانے کی مخلصانہ کوشش جاری کی، یہ فاضل دیوبند علامہ عبدالرشید طالوت تھے جو ایک جانب حضرت مدنی علیہ الرحمہ کی زلفوں کے اسیر تھے تو دوسری جانب علامہ اقبال مرحوم کے بے تکلف دوست بھی تھے، چنانچہ ان کے دَر آجانے کے بعد 28 مارچ 1938ء کے روزنامہ ''احسان'' لاہور میں بعنوان ''ایک علمی بحث کا خوشگوار خاتمہ'' مضمون شائع ہوا جس میں اقبال مرحوم کے یہ الفاظ تھے کہ

''میں مولانا (مدنی) کی دینی حَمِیَّت کے احترام میں ان کے کسی عقیدتمند سے پیچھے نہیں ہوں''

اس قسم کی اختتامی بحثیں اپنے انجام بلکہ حُسنِ انجام کو پہنچ رہی تھیں کہ تین ساڑھے تین ماہ بعد علامہ اقبال مرحوم کا انتقال ہو گیا، اور اس کے بیس سال بعد شیخ العرب والعجم حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ بھی وہیں جابسے، جہاں فاضل کالم نگار نے بھی اور آخر کار ہم سبھی نے چلے جانا ہے، جناب بلال الرشید صاحب! آپ حضرت مدنی علیہ الرحمہ کی ذات سے، سیاسی موقِف سے اور مذہبی مَشرب سے بھلے اختلاف کریں، مگر آپ کو ان کی جناب میں توہین آمیز کلمات کہنے کا کوئی حق نہیں ہے کہ اس مَمْلَکَتِ خداداد میں حضرت مدنی علیہ الرحمہ کے لاکھوں عُشّاق سرمست وسربکف موجود ہیں، اگر آپ یوں بلاغِلّ وغِش سنی سنائی باتوں سے اپنے کالم کا پیٹ بھریں گے تو اس سے کچھ دیر آپ کو تسکینِ نفس تو مل جائے گی مگر تسکینِ قلب وجگر نصیب نہیں ہو سکے گی، آپ بغض وعِناد کے جذبات کو نکال باہر کریں کِذب تراش اور تَمَلُّق پیشہ لوگوں کے بہکاوے میں آنے کی بجائے اگر آپ پوری دیانت داری کے ساتھ ماضی کا مطالعہ فرمائیں اور منصفانہ طبائع کے خدارسیدہ لوگوں کی صحبت اختیار کریں تو آپ کو مولانا حسین احمد مدنی کا سر اونچا ہی نظر آئے گا جی ہاں! بعینہ جس طرح ان کے اجداد کے سر کربلا میں اونچے نظر آئے، شیخ مدنی کا سر اونچا تھا، اور اونچا ہی رہے گا، کوئی اس عالم خدارسیدہ کی گردن پہ کھڑے ہو کر اگر اپنا قد بڑھانے کا شوق پورا کرتا ہے تو کر گزرے مگر اس سے قد نہیں بڑھیں گے، ہاں شیخ مدنی کی عزتوں میں اِن شاءَ اللہ اضافے ہی ہوں گے، برادرم بلال الرشید صاحب اگر آپ واقعی ہماری اس مخلصانہ دعوت کو قبول کرتے ہوئے طالبِ تحقیق بننا چاہتے ہیں اور اس قضیہ کا ہمہ پہلوؤں سے

احاطہ کر کے اپنی رائے قائم کرنا چاہتے ہیں تو بندہ کے ساتھ آپ رابطہ میں تو ہیں ہی، آگاہ کیجئے، کاتب السطور آپ کو اس عنوان پہ کتابوں، رسالوں، اور دیگر ذخائر علمیہ سے آگاہ بھی کرے گا اور ان شاء اللہ کچھ ارسال کرنا پڑا تو اس سے بھی دریغ نہیں کرے گا، مگر ہاں! یاد رہے کہ فقط اپنی تسکین قلب اور وسعتِ معلومات کی غرض سے ایسا ہونا چاہیے، وگرنہ بہر صورت کہ اہل خرد دیکھ ہی چکے ہیں کہ کتنے ہی پریشان خیالات اور بودے توہّمات پیدا کرنے والے قبروں کا رزق بن گئے مگر مولانا حسین احمد مدنی کا سر آج بھی اونچا ہے اور اونچے سروں والے جھک جھک کے دوسروں کے پیروں میں عزتیں تلاش نہیں کرتے! والسلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

تری خاک میں ہے اگر شرر تو خیالِ فقر و غنا نہ کر　　کہ جہاں میں نان شعیر پر ہے مدار قوت حیدری

عبدالجبار سلفی لاہور 18 جنوری 2022ء

تبرُّک علامہ تونسویؒ

ازقلم: عبدالجبار سلفی لاہور

کل گزشتہ مناظر اعظم حضرت مولانا علامہ عبدالستار تونسوی رحمہ اللہ کے فرزند دل بند جناب صاحبزادہ مولانا محمد عمر فاروق صاحب تونسوی بندہ کے غریب خانہ پہ تشریف لائے اور اپنے عظیم والد گرامی نوّر اللہ مرقدہ کے سالہا سال تک زیر استعمال رہنے والا عصا مبارک کا تبرُّک بطور تحفہ بندہ کو پیش فرمایا، اس کے پسِ منظر کی تفصیلات کھلے عام پیش کرنے کی تو بندہ کو اجازت نہیں دی گ ءتاہم خواص کے قدر دان حلقہ میں متبادل کرنے کی گنجائش دی گئی، البتہ اس تبرُّک کے حوالہ سے مختصراً اتنا عرض ہے کہ آج سے کم وبیش ایک سال قبل صاحبزادہ صاحب موصوف نے بندہ کو پیغام بھیجا کہ آپ کی ایک امانت میرے پاس ہے جو فی الوقت بوجہ علالت میں آ کر پیش نہیں کر سکتا، جونہی صحت نے اجازت دی تو میں حاضر ہو کر پیش کروں گا، بندہ حیرت واستعجاب میں پڑ گیا کیونکہ آج تک صاحبزادہ صاحب موصوف سے ملاقات یا شرفِ زیارت کا اتفاق نہیں ہوا تھا، جانبین سے صرف غائبانہ شناسائی تھی، اس لئے عرض کیا کہ متذکرہ امانت کے کسی خاص مقصد یا پس منظر سے مطلع فرما دیجے، ارشاد فرمایا نہیں یہ قبل از وقت ہے اور میں اس کی تفصیلات ملاقات میں ہی پیش کروں گا، بندہ نے مشورہ دیا کہ اگر آنجناب ابھی تشریف نہیں لا سکتے تو بندہ کو اپنی اقامت گاہ پہ حاضری کی اجازت دے دیں، تو فرمایا کہ یہ بھی ممکن نہیں کیونکہ اس امانت کی حسن ادائی کا تقاضہ یہ ہے کہ میں خود حاضر ہو کر پیش کروں، لہذا آپ اصرار نہ فرمائیں، میں بہت جلد آپ سے رابطہ کروں گا، اس پر کم وبیش ایک سال کا عرصہ بیت گیا، بندہ اندر ہی اندر مضطرب رہا اور چونکہ اس اضطراب میں خوشی کی دھونی بھی شامل تھی اس لئے اس انتظار سے لطف اٹھانے کی نیت کر لی اور پھر ہر آنے والا دن قلبی طمانیت کی نوید لے کر طلوع ہوتا رہا۔

کل اچانک صاحبزادہ صاحب موصوف کا فون آیا کہ میں لاہور میں موجود ہوں اور شام کو آپ سے ملنے آ رہا ہوں، یہ سن کر گزشتہ کئی ایام سے تبلیغی سفروں کی بدن توڑ تھکاوٹ دھوئیں کی طرح اُڑی اور بشاشت وطراوت سے مَشام جاں نہال ہو گئے، اس لئے کہ عرصہ ایک سال سے جو بندہ انتظار وجستجو کی بھٹی میں تپ رہا تھا، اب وہ گھڑیاں ختم ہونے جا رہی تھیں، صاحبزادہ گرامی قدر تشریف لائے اور نہایت محبت وشفقت کے ساتھ سبز غلاف میں مغلوف چھڑی مبارک بندہ کے حوالہ کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ یہ زندگی کے آخری سالوں میں والد بزرگوار حضرت علامہ تونسوی رحمہ اللہ کے بہ کثرت استعمال میں رہی، اس کے بعد جو انہوں نے خاص روحانی کیفیت سے اس کا سببِ اصلی بیان فرماتے ہوئے ایک طویل خواب بیان کیا تو سچی بات یہ ہے کہ بندہ مارے ندامت کے زمین میں گڑ گیا، صاحبزادہ صاحب موصوف کی روتے ہوئے ہچکی بندھ گئی اور بندہ اپنی حیثیت کا اس عظیم تبرُّک سے موازنہ کے تصوّر سے پسینہ پسینہ ہوتا رہا، بندہ اس سے زیادہ کچھ کہنے کی جرأت نہیں پاتا، بس اللہ کریم سے دعا ہے کہ عیوب پہ پردے پڑے رہیں اور پروردگار عالم اصحاب رسول ﷺ کے قدموں کے صدقہ میں اپنے الطافات کا سلسلہ یونہی جاری رکھے تو اس کی شان کریمی سے کوئی بعید نہیں ہے، اسلام میں ''تبرّکات'' کا ایک مستقل اور ایمان افروز باب ہے، جس سے قرآن مجید، احادیث نبویہ اور تعامل امت بھرے پڑے ہیں، تبرّکات کے اندر چونکہ

عزت اور صالح بختی کے حصول کی تمنا اور آرزو ہوتی ہے تو اس لئے اسے "تبرُّک" کہا جاتا ہے امام راغب اصفہانی ''المفرادت'' میں لکھتے ہیں ''والبرکۃ ثبوت الخیر الالھی فی الشیء'' (کسی چیز میں مِن جَانِب اللہ خیر و برکت کا پایا جانا تبرُّک کہلاتا ہے) بیشک مؤثر حقیقی اللہ تعالی کی ذات ہے اور وہی اللہ اپنے مقبول و محبوب بندوں کی اشیاء میں خیر و برکت ڈالتا ہے، بندہ اس عظیم نعمت کو دنیا و آخرت میں وسیلۂ نجات سمجھتے ہوئے صرف اپنی طرف سے نہیں بلکہ اپنی جماعت تحریک خدام اہل السنت والجماعت کی جانب سے خانوادۂ علامہ عبدالستار تونسوی رحمہ اللہ کا شکریہ ادا کرتا ہے، اور دفاع صحابہؓ واہل بیتؓ کے مقدس محاذ پہ اس تحفہ کو نیک فال سمجھتے ہوئے اسے عنداللہ قبولیت کی سند تصور کرتا ہے، کیونکہ یہ چھڑی اہل سنت کے اس ضِرغام صفت مجاہد اور عالم دین کی ہے جس نے اپنی زندگی شیروں کی طرح دھاڑتے ہوئے رفض و خارجیت کے ایوانوں میں تھرتھلی مچاتے ہوئی گزار دی، امام اہل سنت علامہ عبدالشکور فاروقی لکھنوی رحمہ اللہ کے لائق فخر شاگرد اور شیخ العرب والعجم مولانا سید حسین احمد مدنی علیہ الرحمہ کے تربیت یافتہ نیز قائد اہل سنت حضرت اقدس مولانا قاضی مظہر حسین رحمہ اللہ کے معتمد علیہ، سلطان العماء علامہ ڈاکٹر خالد محمودؒ کے دست راست اور محقق شہیر حضرت مولانا محمد نافع رحمہ اللہ کے رفیق با توفیق کا یہ عصا مبارک اس حقیر بندہ کے آنگن میں بہشت کے ٹھنڈے جھونکوں کے ساتھ جلوہ گر ہوا ہے، پروردگار عالم کی جناب میں اظہار تشکر کے ساتھ دعا ہے کہ اللہ تعالی ہم سب کو مذہب اہل السنت والجماعت کی خدمت کرنے کی توفیق نصیب فرمائے رکھے، اور قیامت کے دن اپنے محبوب لوگوں کے ساتھ محشور فرما کر دائمی سرخروئی نصیب فرمائے۔ اللھم آمین

(عبدالجبار سلفی لاہور، 23 اگست 2022ء)

برادر مکرم جناب رضا الحسن صاحب قادری زید فضلہم وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

از قلم: عبدالجبار سلفی لاہور

آپ جناب نے جن صاحب کا یہ موقف ارسال فرمایا ہے، اس کے متعلق قطع نظر کہ صاحب تحریر کون ہیں، اپنی طالبعلمانہ رائے اختصار کے ساتھ پیش خدمت ہے

نمبر 1:۔ یہ کہنا کہ ''اہل بیت کے ساتھ سوتیلے سلوک نے شام وعراق میں شیعیت کو فروغ دیا ہے'' کا اگر تو یہ مطلب ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی جانب سے یہ تناؤ رہا جس نے آنے والے دنوں میں اس خلیج کو مزید توسیع دی تو یہ صحابہ واہل بیت رضوان اللہ علیہم اجمعین دونوں مقدس طبقوں کے مقامات کو نہ سمجھنے کی بنا پہ رائے قائم ہوئی ہے، کیونکہ اس موقف کے اوّلین ہامی وحامی یہود تھے جنہوں نے ایک فریق کی دوستی کی آڑ میں دوسرے فریق کی تنقیص کا بیڑا اٹھایا اور اپنے ناپاک مشن کو پھیلانے میں اسے مدد ومعاون بنایا، اور اگر اس کا یہ مطلب ہے کہ اگرچہ انتظامی طور پہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں مشاجرات رہے ہیں، مگر انہیں مستقل طور پہ پروپیگنڈہ مہم کے تحت نشر کرنے سے عوام الناس میں طبقاتی تقسیم ہوئی تو یہ اگرچہ کسی حد تک درست ہے مگر اسے فقط شام وعراق کی جغرافیائی حدوں میں محدود کر دینا بھی حقائق سے ناواقفی ہے۔

محترم! شام، عراق اور یمن واُردن وغیرہ کے خطے جہاں دین اسلام کے مراکز ومنابع رہے ہیں وہیں پہ فتنہ پرور لوگوں کی آماجگاہ بھی بنے رہے ہیں، چنانچہ اسود عنسی، مسیلمہ کذاب کے پیروکار یا طلیحہ اسدی اور عبداللہ بن سبا جیسے لوگوں کا خمیر بھی یہیں سے اٹھا، دراصل شاطر یہودیوں نے جب دیکھا کہ ان علاقوں کے مکین اپنے مخصوص مزاج کی وجہ سے غیر مستقل مزاج، جذباتی، کان بھرنے بھرانے کے شوقین، نئی اٹھتی آوازوں پہ لبیک کہنے کے عادی، خوشامدی وچاپلوس اور آن واحد میں اپنی وفاداریاں بدلنے میں اپنی مثال آپ ہیں تو انہوں نے ان ممالک میں اپنے پر پرزے زیادہ پھیلا دیئے تھے اور پھر بڑے بڑے واقعات رونما کروا کر ملت اسلامیہ کی وحدت کو پارہ پارہ کرنے میں کامیاب ہو گئے، تو پھر آہستہ آہستہ آنے والے وقتوں میں یہ علاقے ان اشرار کے مراکز کہے جانے لگے حالانکہ اسلامی وعلمی اور روحانی وتبلیغی نسبتوں کے مراکز آج بھی وہاں موثر وباوزن اہل السنت والجماعت کے ہیں نہ کہ روافض ونواصب کے، البتہ شور شرابہ اور خون خرابہ کی وجہ سے عامۃ الناس انہیں رفض کے مراکز سمجھنے لگے، جسے حقیقت وحقائق سے دوری قرار دیا جا سکتا ہے۔

نمبر 2:۔ صاحب تحریر کا یہ کہنا کہ تکفیر رفض دراصل وہابیت کا مشغلہ تھا جس کے زیر اثر دیوبندی آ گئے اور پھر بریلوی علماء کرام بھی اس طوفان کی نذر ہو گئے، یہ اتنا بڑا غیر عالمانہ ڈھکوسلا ہے کہ اسے شیخ چلی کے خیالی پلاؤ کے گوشت میں ایک نرم سی ہڈی کے علاوہ کوئی نام نہیں دیا جا سکتا، ہر زمانہ کے ہر مجتہد اور زیرک اہل علم نے جب بھی اہل تشیع کے مخصوص عقائد کا باریک بینی سے جائزہ لیا تو وہ اسی نتیجہ پہ پہنچے کہ ان کا عقیدہ امامت، رجعت، اضافہ کلمہ اسلام (جس میں شہادت ثالثہ کا اضافہ پورے گھڑنتو مذہب کی جان ہے) عقیدہ تحریف قرآن مجید، مسئلہ تبرّا وتولّا یا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی بہ استثنائے چند تکفیر وتوہین وغیرہ وغیرہ مستقل طور پہ اسباب کفر ہیں، بلکہ ان میں سے

ہر اک کی جزی تک سے کفر کی ہی بو آتی ہے۔، اور اس فتوٰی میں علماء وہابیہ کی تقلید قطعاً نہیں کی گئی بلکہ مولانا محمد قاسم نانوتوی علیہ الرحمہ سے لے کر مولانا احمد رضا خان صاحب رحمہ اللہ فاضل بریلی تک سبھی نے تقلیدی کی بجائے اپنے تحقیقی ذوق اور منصفانہ طبائع کی بنا پہ رافضیت کی تکفیر کی ہے، لہذا اسے محض برصغیر کی کتب کا نتیجہ مطالعہ قرار دینا صرف اور صرف مغالطہ و مبالغہ ہے، آپ جناب نے جتنا سوال بھیجا تھا، اتنے پہ تو اپنی طالب علمانہ رائے پیش کر دی گئی ہے، تاہم اگر صاحب تحریر اپنے اس دعوی کو دلائل و براہین سے مزیّن کر کے مفصل طور پہ پیش کریں تو ان شاء اللہ تعالی ہم بھی پامَرْدی سے ان کے مزعومہ دلائل پہ جوابی تبصرہ کے ذریعے سبک دوش ہو سکیں گے، توضیح مدّعا کے لئے محض تعلیٰ آمیز دعوے کافی نہیں ہوتے، دلائل کا تبادلہ بھی ہوتا ہے اور پھر پڑھنے والے خود ہی چھان بین کر کے نتائج اخذ کرتے رہیں گے، امید ہے کہ صاحب تحریر قیاسی بھول بھلیوں میں بھٹکنے بہکانے کی بجائے سمجھنے سمجھانے کے فارمولے پہ عمل داری کریں گے، ان کے جوابی خیالات کا انتظار رہے گا

محترم بھائی صاحب! پہلی بات تو یہ ہے کہ اختلافات سے پاک صرف فرشتوں اور انبیائے کرام علیہم السلام کے طبقے ہیں، باقی تمام انسانوں میں انتظامی خاندانی یا آراء کے اختلافات رہتے ہیں، ایسے ہی اختلافات اگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور اہل بیت رسول ﷺ میں بھی رہے ہوں تو یہ کوئی اچنبھے والی بات نہیں ہے بلکہ خود اہل بیت میں اختلافات رہے، جن پہ شیعہ و سنی سبھی متفق ہیں، اور ان اختلافی واقعات سے کتابوں کی کتابیں بھری پڑی ہیں، حضرت علی رضی اللہ عنہ اور سیدہ حضرت فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا، اور حضرت علی و عباس رضی اللہ عنہما میں باہم اختلافات سے کون ذی علم انکار کر سکتا ہے؟ مگر ان اختلافات کو مخالفت کے روپ میں پیش کر کے نفرتوں کا لاوا بھڑکانے والے پہلے تو اسلام دشمن طاقتیں تھیں۔

نمبر 2:۔ دھیرے دھیرے پھر عصبیت اور خاندانی رقابتیں بھی اس میں شامل ہو گئی تھیں، اور نبی علیہ السلام نے آخری حجۃ الوادع کے موقع پر جو خدشہ ظاہر فرمایا تھا وہ بالآخر ظاہر ہو کر رہا۔

نمبر 3:۔ جب یہ رقابتیں حصول سلطنت میں حائل ہوئیں تو آگ کے شعلے مزید بھڑک اٹھے، کیونکہ اقتدار پسند لوگوں نے پارسان امت کی بیساکھیوں کے ذریعے اقتدار میں آنے کی کوششیں کیں، ناکام ہوئے تو خود پارسان امت پہ ہی آگ بگولہ ہو گئے، جیسا کہ سانحہ کربلا کے اصل ذمہ داران کوفہ کے شیعہ لوگ تھے، جنہوں نے پہلے حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو خطوط لکھ لکھ کر کوفہ آنے کی دعوت دی لیکن پھر راتوں رات اپنی وفاداریاں تبدیل کر کے یزید کے ہم خیال بن بیٹھے، اور پھر وہ ظلم کر دیا کہ جس سے قیامت تک دنیا مغموم رہے گی، بالکل ایسے ہی اگلی تین صدیوں میں پھر عباسیوں اور ہاشمیوں کے درمیان یہ تناؤ مزید بڑھا، تو اس میں مذہب اہل سنت یا عمائدین و قائدین اہل سنت کا کوئی قصور نہیں تھا، چالباز اور مکار لوگوں نے اس جلتی آگ پر برابر تیل ڈالنے کا عمل بد جاری رکھا، جس کے مضر اثرات اب مستقل طور پہ ایک امامی مذہب کی شکل میں شکل منحوس کے طور پہ دندنا رہے ہیں۔

عبدالجبار سلفی لاہور 22 ستمبر 2022

کتابچہ نفاذ شریعت اور فقہ جعفریہ

از قلم: مولانا عبدالجبار سلفی لاہور

پہلے پہل جنرل ضیاء الحق شہید کے دور حکومت کے اوائل میں شائع ہوئی تھی اور ملک بھر میں تقسیم ہوئی۔ اس تصنیف کا پس منظر اہل علم کی خدمت میں پیش کیا جا رہا ہے۔

1983ء میں پاکستان بھر کیا اہل تشیع نے ''فقہ جعفری نافذ کرو'' کے نام سے ایک ملک گیر تحریک چلائی تھی۔ اور اپنے مطالبات تسلیم کروانے کیلئے اسلام آباد میں فسادی دھرنا دیا تھا۔ دوسری جانب اہل سنت علامہ عبدالستار تونسوی علیہ الرحمہ کی قیادت میں متحد ہوئے، راولپنڈی میں جامعہ اسلامیہ کشمیر روڈ، لاہور میں جامعہ اشرفیہ فیروز پور روڈ اور مسجد نیلا گنبد، نیز کراچی میں جامعۃ العلوم الاسلامیہ علامہ بنوری ٹاون مراکز قرار پائے۔ اور حضرت تونسوی علیہ الرحمہ نے اپنے طوفانی دوروں سے اس ملک گیر تحریک میں وہ روح پھونکی کہ انفاس عیسی کی مہک آنے لگی تھی۔ اس جوابی تحریک کو کمزور کرنے میں کس کا کیا کردار تھا؟ ذاتی مفادات اور لیڈری کے چسکوں نے کس طرح اس ملی تحریک کو نقصان پہنچایا اور خفیہ طاقتوں نے کن مقدس چہروں کو اس کار ''خیر'' کیلئے استعمال کیا؟ یہ المناک اور خوفناک بلکہ ہولناک داستان ہے۔ جس کے بعض احوال کو بندہ نے ''مظہر کرم'' تصنیف میں محتاط انداز میں قلمبند کرنے کی کوشش کی ہے۔ اور بہت کچھ سینوں اور سفینوں میں محفوظ ہے، اور خدا کرے کہ اسی حفاظت کیساتھ ہم فانی زندگی کے بقیہ ایام گزار سکیں آمین۔

ہاں تو دوستو! ''نفاذ شریعت اور فقہ جعفری'' کے نام سے یہ کتابچہ اسی رافضی تحریک کی دسیسہ کاریوں سے ارباب اقتدار اور اہل علم و دانش کو آگاہ کرنے کی غرض سے شائع کیا گیا تھا۔ جو چوہدری امان اللہ لک ایڈووکیٹ آف گجرات کے نام سے چھپا تھا۔ مگر بہت کم لوگوں کے علم میں ہوگا کہ فی الاصل اس کے مصنف مناظر اعظم حضرت علامہ مولانا اللہ یار خان آف چکڑالہ ضلع میانوالی تھے۔ اور چوہدری امان اللہ لک ان کے مرید خاص تھے۔ قانونی پیچیدگیوں سے بچنے اور عوام و خواص کے عمومی فوائد کی مصلحت و حکمت کے پیش نظر اسے چوہدری صاحب کے نام سے شائع کیا گیا تھا، مگر ایک کام ایک خاص وقت اور حالات کی بنا پر اگر حسب مصلحت کیا جاتا ہے تو اس کام کی اصل نوعیت سے آمدہ وقتوں میں قوم کو آگاہ کرنا بھی عین حکمت اور تاریخی ریکارڈ کی درستی کیلئے ضروری ہوتا ہے۔ یہ امان اللہ لک مرحوم ایک ٹھاکر قسم کے چوہدری تھے جو مولانا اللہ یار خان علیہ الرحمہ کے متوسلین میں شامل ہو کر اس قدر محبوب و مقبول ہوئے کہ اللہ تعالی نے کوٹ کچہریوں کے کٹہروں میں ان سے مذہب اہل سنت کے دفاع کا کام لیا اور حضرت مولانا اللہ یار خان مرحوم کی پشت پناہی اور تربیت سے بلاشبہ اس شخص نے وہ تاریخی خدمت سرانجام دی کہ جسے بھلا دینا ممکن نہیں ہے۔ کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ مولانا اللہ یار خان مرحوم چوہدری امان اللہ کے ڈیرہ واقع گجرات میں مقیم تھے تو ایک بوڑھیا آئی اور مولانا اللہ یار خان مرحوم کو دیکھنے کی خواہش ظاہر کی۔ جب اس سے پوچھا گیا کہ اس پیرانہ سالی اور ضعف میں آپ حضرت مولانا صاحب کو ملنے کی کیوں تکلیف اٹھا کر آئی ہیں؟ تو اس نے کہا، میں اس شخص کو دیکھنا چاہتی ہوں جس نے لک جیسے بندے کا ''لک'' سیدھا کر دیا ہے اللہ اکبر!

ہمارے اکابر بھی کیا لوگ تھے جو دین متین کی خدمت واشاعت کیلئے ہر میدان اور شعبے سے وابستہ لوگوں سے کام لینے کا گُر جانتے تھے۔ یہ کتابچہ اردو، انگریزی اور عربی تینوں زبانوں میں بلا مبالغہ لاکھوں کی تعداد میں چھپا تھا اور دنیا بھر میں تقسیم ہوا۔ آج یہ عظیم المرتبت کتابچہ PDF کی صورت میں سامنے آیا تو ان یادگار لمحات اور تاریخی حالات نے بندہ کی طبیعت میں ایک مسرت بھری ہلچل پیدا کر دی۔ اور زیر نظر سطور اسی تاثر کا نتیجہ فکر ہیں۔ ہائے! کہاں گیا وہ زمانہ کہ جب مذہب اہل سنت کی بقاء ودفاع کے جذبات رکھنے والوں میں قائد اہل سنت حضرت مولانا قاضی مظہر حسین، مولانا عبدالستار تونسویؒ، علامہ مولانا اللہ یار خان چکڑالوی، امام پاکستان مولانا احمد شاہ چوکیروی، محقق اہل سنت مولانا محمد نافع، سلطان العلماء علامہ ڈاکٹر خالد محمود، شیخ الحدیث مولانا محمد سرفراز خان صفدر، شہید اسلام مولانا محمد یوسف لدھیانوی، مولانا مہر محمد میانوالوی، مولانا حق نواز جھنگوی شہید، اور سنی غیرت سے مالا مال چوہدری امان اللہ لک ایڈووکیٹ جیسے لوگ میدان عمل میں موجود ہوا کرتے تھے۔ اور اہل سنت کی نظریاتی سرحدوں کے یہ سچے اور کھرے پہریدار ایک لمحہ کیلئے بھی اپنے فرائض سے غفلت برتنے کے روادار نہ تھے۔ اور اب۔۔۔۔۔۔؟ ڈھونڈ انہیں چراغ رخ زیبا لیکر۔۔۔۔۔۔

یا الہ العالمین ان سب کی، اور ان جیسے لاتعداد دوسروں کی کامل مغفرت فرما، صحابہ کرام رضوان اللہ تعالی علیہم اجمعین کی زیارتوں سے انہیں مشرف فرما، ان کی قبور کو رشک جنت بنا، ان کو کروٹ کروٹ راحت وسکون نصیب فرما، اور روز محشر حوض کوثر کے کناروں سے انہیں آب کوثر پلا کر ''سلام علیکم'' کی ٹھنڈی ہواؤں میں ''فادخلوھا خالدین'' کی سعادتوں سے بہرہ ور فرما۔ جہاں امان اللہ لک جیسے لوگ اپنی بغلوں سے ''نفاذ شریعت'' کا کتابچہ نکال کر بارگاہ شیخین کریمین میں پیش کرتے ہوئے کہیں ''الحمدللہ الذی صدقنا وعدہ واورثنا الارض نتبوء من الجنۃ حیث نشاء، فنعم اجر العالمین''۔

والسلام-عبدالجبار سلفی-لاہور

حال مقیم آرام باغ ایبٹ آباد/ 16، دسمبر 2021ء

مولانا زاہد الراشدی کی شیعہ مرکز میں امامت

از قلم: مولانا عبدالجبار سلفی

چند دن قبل لاہور میں اہل تشیع کے مرکز جامعہ عروۃ الوثقیٰ میں ''ختم نبوت اور وحدت امت'' کے زیر عنوان ایک کنونشن منعقد ہوا۔ جس میں بعض علماء اہل سنت نے بھی حسبِ دعوت شرکت کی۔ جن میں بطور خاص مولانا زاہد الراشدی صاحب کو امامت کا منصب بھی سونپا گیا۔ یوں جامعہ عُروۃ الوثقیٰ کے بانی و منتظم مولانا جواد نقوی صاحب سمیت تمام شرکاء (جن میں اکثریت شیعوں کی تھی) نے راشدی صاحب کی اقتداء میں نماز ادا کی۔ اس کے بعد سوشل میڈیا سمیت متعدد حلقوں میں اس حوالہ سے بحث و مباحثہ کا تندور گرم ہے۔ ہمیں مولانا زاہد الراشدی صاحب کے اس عمل پہ کوئی زیادہ تعجب اس لئے نہیں ہے کہ آں موصوف کی پوری زندگی اسی قسم کے اعمال میں گزری ہے۔ تاہم سربراہ ادارہ مولانا جواد نقوی کی کامیابی حیران کُن ہے کہ انہوں نے ایک ایسے عنوان سے معنون محفل میں سنیوں کو شریک کر کے بے وقوف بنا ڈالا، کہ جو عنوان اہل تشیع کے اسلام سے فاصلوں کو اول روز ہی سے بڑھاتا چلا آرہا ہے۔ یعنی عقیدہ امامت کی آڑ میں اجراء نبوت کا قائل ہونا اور عقیدہ ختم نبوت کا انکار کرنا! اس میدان میں سالہا سال تک جدوجہد کرنے والے جانتے ہیں کہ عقیدۂ تحریف قرآن مجید اور عقیدہ امامت شیعوں کے دو ایسے عقائد ہیں کہ لاکھ تاویلات و تلبیسات کے باوجود یہ ان کی کوئی ایسی توجیہ آج تک نہیں کر سکے کہ جس کی رُو سے ان کی عدم تکفیر کی جانب متوجہ ہونا پڑا ہو۔ مگر اب کچھ عرصہ سے انڈیا میں مولانا سلمان ندوی اور پاکستان میں چند علماء کرام کو یہ فکر کھائے جارہی ہے کہ انکار ختم نبوت، تحریف قرآن مجید اور اصحابؓ و ازواجؓ نبی ﷺ پر متواتر تبرا بازی کے باوجود شیعوں کو ملت اسلامیہ سے فاصلے پہ کیوں رکھا جارہا ہے؟ لہذا انہیں ان کے متذکرہ عقائد کے باوجود اسلام کی صفوں میں غیر فطری طور پہ ہی سہی، لا کھڑا کر کے بزعم خویش اسلام کی خدمت کر لی جائے۔ بدقسمتی سے ایسے متفکرین دیوبندی مکتب فکر سے نمایاں ہو کر سامنے آرہے ہیں۔ کم و بیش ایک سال قبل کراچی سے ایک مولانا منظور احمد مینگل، جنہیں اپنے علم و ہنر پہ بجا طور پہ ناز ہے۔ نے اپنے ویڈیو کلپ میں کہا کہ شیعوں کو جو تحریف قرآن کا قائل کہا جاتا ہے وہ بالکل غلط ہے، وہ قرآن مجید کی سالمیت کے قائل ہیں۔ یقین جانیے یہ گفتگو کرتے ہوئے ان کی پیشانی کی سلوٹیں بتا رہی تھیں کہ موصوف نے اس موضوع پہ جانبین کے موقف کی کوئی ایک سطر بھی نہیں پڑھی، اور انہیں اپنی ویڈیو ریکارڈ کرواتے ہوئے ذرا برابر احساس نہ ہوا کہ وہ علماء اہل سنت کی صدیوں کی تحقیقات کو اپنے احمقانہ جملوں سے اڑا کر ان کی بھد اڑانے میں کتنی پھرتی دکھا رہے ہیں۔ اور ایک ایسے فرقے پہ احسان کر رہے ہیں جو اسلام کا شدید ترین دشمن ہے۔ دوسری جانب مولانا طارق جمیل ہیں کہ جن کا بس چلے تو قابیل، شداد، نمرود، ابوجہل و ابولہب، چنگیز، خمینی، ہلاکو اور مُودی و ٹرمپ تک کو پروانۂ جنت دے ڈالیں۔ انہیں اگر تحفظات ہیں تو علماء دین سے ہیں کہ جنہوں نے منبر و محراب کو تشتت و افتراق کا مرکز بنا رکھا ہے، ان مولانا صاحب کو اپنوں کے علاوہ ہر طاغی، گمراہ و سرکش اور طاغوتی و ابلیسی ایجنٹ سے ہمدردی ہے۔

مولانا سلمان ندوی نے جس قدر حیا سوز کاروائیاں کر کے اہل حق کی رسوائی کی ہے وہ کسی ذی شعور سے مخفی نہیں ہے۔ اور اب رہی سہی کسر مولانا زاہد الراشدی صاحب نے نکال دی ہے کہ جن کے والد گرامی حضرت مولانا محمد سرفراز خان صفدرؒ نے ''ارشاد الشیعہ'' نامی کتاب لکھ کر صرف فکری تبادلہ خیالات ہی نہیں کیے بلکہ باقاعدہ اپنا فتوی درج کیا ہے کہ ان عقائد کی بنا پہ روافض مسلمان نہیں کہلائے جا سکتے۔ ہم یہاں یہ عرض کریں گے کہ بالفرض مولانا راشدی صاحب اپنی تحقیق میں اہل تشیع کی تکفیر نہ بھی کرتے ہوں تو وہ اس حقیقت کا انکار تو بہر حال نہیں کر سکتے کہ شیعہ لوگ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو بلا حجاب گالیاں دیتے ہیں، ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کی توہین اور دیگر پاکان امت کو گالیاں دینا ان کا مذہبی شعار اور من بھاتا کام ہے۔ تو کیا اس سے باخبر رہنے کے بعد بھی ان کے ضمیر نے یہ قبول کر لیا ہے کہ وہ ایسے لوگوں کے مرکز میں جا کر ان سے محبت و تعلق کی پینگیں بڑھائیں اور ان کے دستر خوان سے متلذذ ہو کر ''وحدت'' کے پرچارک بنیں؟ اگر ایسا ہی ہے تو پھر ہمارا سوال ہوگا کہ اب تک جو شیعوں کے خلاف تحریکیں چلی ہیں۔ مولانا موصوف نے ان تحریکوں کے خلاف اپنی زبان و بیان کا استعمال کیوں نہیں کیا؟ بلکہ ہم تو یہی دیکھتے آ رہے ہیں کہ جب کبھی تندور گرم ہوا مولانا راشدی صاحب فوراً آ کر اپنی روٹی لگا کے رفو چکر ہو جاتے ہیں۔ 80ء کی دہائی میں علامہ عبدالستار تونسویؒ اور قائد اہل سنت مولانا قاضی مظہر حسینؒ کے قائم کردہ ''متحدہ سنی محاذ'' کو ہائی جیک کر کے اُسے جمعیت علماء اسلام (درخواستی گروپ) کے لیے تشہیری کیمپ بنانے اور مولانا حق نواز جھنگوی شہید کو تھپکیاں دینے والوں میں ایک نام تیرہویں امام ''راشدی صاحب'' کا بھی ہے۔ سُنی طلبہ تنظیموں کو اُکسانے، اور فکری رہبری کی آڑ میں آگے دھکیلنے والے بھی متعدد مقامات پہ موصوف نظر آئے۔

اللہ کرے کہ ایسا نہ ہو۔ مگر لگتا ایسے ہے جیسے اس قسم کے حضرات کو یہ ٹاسک دیا گیا ہے کہ وہ ایسی اتحادی خدمات سرانجام دے کر اپنے آباؤ اجداد سمیت تمام اسلافِ امت کی علمی و دینی خدمات کو مشکوک بنا دیں۔ اور پھر آج کے نئے زمانہ کے نوجوان یہ گنگناتے نظر آئیں کہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ سے لے کر مولانا محمد سرفراز خان صفدرؒ تک زعماء امت نے تو کچھ بھی نہیں کیا، اصل دین تو مولانا زاہد الراشدی، طارق جمیل، منظور مینگل اور سلمان ندوی پیش کر رہے ہیں۔ خود سوچیے اس خطرناک سوچ کی آج آبیاری کون کر رہا ہے؟ کہا جا رہا ہے کہ اس سے قبل کی تحریکوں میں ہمارے اکابر نے بھی تو شیعوں کو اپنے ساتھ شامل کیے رکھا۔ یہ ایک قیاس مع الفارق اور شدید غلط بیانی پہ مشتمل تاویل ہے۔ کیوں کہ اکابرین امت نے ان کو اپنے ہاں بُلا کر اپنے دینی مقاصد کے لیے استعمال کیا تھا اور آپ ان کے پاس جا کر انہی کے ہاتھ کا کھلونا بنے ہوئے ہیں۔ لہذا اپنے غلط طرز عمل کو اس قسم کی دیمک زدہ بیساکھیوں کا سہارا دے کر ثابت نہیں کیا جا سکتا۔ علاوہ ازیں کل کلاں اگر قادیانی وحدت امت کی فکر میں صوفی مولانا محمد ریاض خان سواتی اور مولانا زاہد الراشدی صاحبان کو مدعو کریں تو وہاں بھی یقیناً انہیں ان کی دعوت قبول کرنا ہوگی کیونکہ شیعوں کے عقیدہ ختم نبوت کی حیثیت فقط اُتنی ہی ہے جتنی کہ قادیانیوں کے عقیدہ ختم نبوت کی، قادیانی کہتے ہیں کہ غیر تشریعی نبی ہو سکتا ہے اور شیعہ کہتے ہیں نبی کے نام سے تو نہیں، تاہم نبوت و رسالت کا کامل صفات سے متصف کوئی بھی امامت کے عنوان سے آ سکتا ہے۔ اس جان و ایمان لیوا فکر و نظر کا پرچار اُس مکتب فکر کے علماء کرنے جا رہے ہیں جن کی پوری تاریخ حمیت و دینی غیرت سے بھری پڑی ہے۔ ہم مزید کسی بحث کے صرف اور صرف ان سُنی شرکاء کنونشن سے سوال کرتے ہیں کہ

وہاں جا کے کیا واقعی آپ کا ضمیر مطمئن ہے؟ اگر ایسا ہے تو مولانا راشدی صاحب کو تیرہویں امامت کا سہرا مبارک ہو۔ مگر صوفی مولانا محمد ریاض صاحب سواتی کو کیا پیش کیا جائے؟؟؟؟

سانحہ دربار حضرت علی بن عثمان الہجویری رحمہ اللہ

ازقلم: مولانا عبدالجبار سلفی

امسال 1443 ہجری کے سالانہ عرس کے موقع پر مسلک بریلی کے دو علماء مولانا سید عرفان شاہ مشہدی اور مولوی محمد حنیف قریشی صاحبان کے ساتھ عوام نے جو برتاؤ کیا اس کی تفصیل میں جائے بغیر اس کے اسباب اور نتائج کے دو چار پہلوؤں پر اپنی معروضات پیش کی جارہی ہیں اور ایسا ایک علم دوست جناب مصدق آصف چغتائی صاحب کی فرمائش کی بنا پر کیا جارہا ہے۔ وگرنہ ''عیاں راچہ بیاں'' کے تحت بندہ اس عنوان پہ کچھ لکھنے، کہنے کی ضرورت اس لئے نہیں سمجھتا کہ متذکرہ شخصیات نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی بے ادبی کا ارتکاب کیا تو حضرت عثمان رحمہ اللہ کے عظیم فرزند اور حضرت حسن رحمہ اللہ کے رفیع المرتبت والد گرامی حضرت علی الہجویری رحمہ اللہ کی تربت پر صحابہ کرام رضوان اللہ تعالی علیہم اجمعین کے شیدائیوں نے اپنے جذبات کے اظہار کے ذریعے انہیں ان کی اوقات سے آگاہ کردیا۔ یہاں فی الوقت ہم اس واقعہ کے ان مناظر میں جھانکنا مناسب نہیں سمجھتے کہ جن کا تعلق براہ راست بریلوی علماء کے مابین عرصہ دراز سے پیدا شدہ باہمی تنازعات وتباغض اور حرص وہوس کی دوڑ کے ساتھ ہے۔ کیونکہ کبڑے کا کب نکلنا چاہئے، کس نے کیوں اور کس کے اکسانے پہ نکالا؟ ہم اس سے دست پنجہ ملائے بغیر آگے بڑھتے ہیں۔

یہ 1999ء کی بات ہے، حویلیاں سے تعلق رکھنے والے ایک شاتم صحابہ خاندان کے ایک فرد محی الدین بن محمود شاہ نے انگلینڈ کی فضا کو سیدنا حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ پہ تبرا کی سوزش باطن سے آلودہ کیا۔ جگہ جگہ اپنے باپ محمود شاہ کی تربیت کے مطابق زہر افشانی کا سلسلہ جاری کردیا۔ اس وقت جبکہ لب آشنائے خندہ بریلوی علماء خاموشی کا پان چرنے چگنے میں مصروف تماشہ دیکھ رہے تھے۔ مولانا عرفان شاہ مشہدی خم ٹھونک کے میدان میں نکلے اور انہوں نے پیر بے توقیر محی الدین شاہ کو دعوت مناظرہ دی، محی الدین شاہ لپکتا ہوا اپنے چند مریدین بے بصر و بے عقل کے ہمراہ مناظرہ کی مجلس میں آدھمکا، اس کے بعد جو اس کی درگت بنی وہ یوٹیوب پر موجود مناظرہ میں بہ چشم خود دیکھی جاسکتی ہے۔ اس مناظرہ میں مولانا عرفان شاہ نے کھلنڈرے اور بدزبان محی الدین کو جیتے جاگتے اپنے پدر مردہ کی لحد میں اتار دیا۔ یوں یورپ کے بام ودر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی عظمت وشوکت سے دہل کر رہ گئے۔ ان دنوں اس کار خیر کا سہرا بہر حال مولانا عرفان شاہ کے سر سجتا تھا اور یہ ان کا حق بھی تھا۔

2007ء کے وسطی مہینوں میں سے کسی مہینہ کی بات ہے، بندہ (راقم) نے مولانا عرفان شاہ صاحب کو فون کیا، تب آپ حسب ترتیب سابق پاکستان کے دورہ پہ تشریف لائے ہوئے تھے۔ بھکھی شریف کا فون نمبر تھا، حسن اتفاق کہ فون شاہ جی نے خود سنا، بندہ نے اپنا تعارف کروانے کے بعد کہا کہ میں نے جناب کا ایک مناظرہ دیکھا اور سنا ہے، جس میں آپ نے صحابیٔ رسول جناب سیدنا حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی شرعی عظمت کا اہل سنت کے متفقہ اصولوں پہ خوب خوب دفاع کیا، میں صرف اور صرف اسی جزبہ سے آپ کی زیارت کرنا چاہتا ہوں۔ میں نے یہ کلمات رسمی ورواجی طور پر نہیں بلکہ قلبی گہرائیوں سے کہے تھے۔ شاہ صاحب کی آواز میں رقت طاری ہوگئی۔

مجھے محسوس ہوا کہ شاید ان کے آنسو بھی ملاقیٔ رخسار ہوئے ہوں گے۔ کہنے لگے آپ لاہور میں کہاں رہتے ہیں؟ عرض کیا سبزہ زار سکیم میں! تو مولانا عرفان شاہ صاحب نے بے خودی میں کہا او ہہہہہ زبردست، سبزہ زار کے ای بلاک میں تو میرا ایک گھر ہے اور میں وہاں آتا جاتا رہتا ہوں۔ آپ پرسوں میرے پاس فلاں وقت تشریف لائیں۔

طے شدہ ضابطہ کے تحت راقم قائد اہل سنت حضرت مولانا قاضی مظہر حسین رحمہ اللہ کی تصانیف کا سیٹ اور اپنی چند بے ربط کتابیں لے کر ان کے ہاں پہنچ گیا۔ شاہ صاحب پورے اخلاقِ کریمانہ و آدابِ میزبانہ سے پیش آئے۔ میں نے ان کی شخصیت میں ایک عالمانہ وقار، آنکھوں میں مطالعہ کتب کی چمک، باتوں میں کہیں کہیں بریلویانہ چنگاری کی چٹک مگر دل و دماغ کو نبی علیہ السلام کے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی محبتوں سے مالا مال پایا۔ انہوں نے قائد اہل سنت رحمہ اللہ کی کتابوں کو سینے سے لگایا اور اوپر رکھی کتاب ''دفاع حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ'' دیکھ کر زیر لب مسکرائے اور ہماری خالص دینی محبت کا شکریہ ادا کرتے ہوئے کم و بیش ایک گھنٹہ کی ملاقات میں مختلف امور پر تبادلہ خیال کیا۔ یوں یہ ملاقات اختتام پذیر ہوئی۔

چند سال پہلے کی بات ہے کہ اسی ماہ صفر المظفر میں ہونے والے حضرت ہجویری رحمہ اللہ کے سالانہ عرس پر یہی مسجد تھی، یہی عوام تھے اور اسٹیج پر مولانا عرفان شاہ مشہدی تھے۔ موضوع سخن اس قدر دل آزار تھا کہ شاہ جی کے منہ سے جھاگ نکل رہی تھی اور وہ علماء دیوبند پہ تہمتوں کی خوب لفظی گولہ باری کر رہے تھے۔ یہاں تک کہ آپ کو طیش آیا اور نہایت سرعت کے ساتھ نفرتوں کے تمام تر مقامات کو عبور کرتے ہوئے اپنے سامعین کو حکم دیا کہ ''شیرانوالہ مرکز کی طرف منہ کر کے کھڑے ہو جاؤ اور لعنتیں کرو'' سامعین بھلا اپنے شیر نر اور زرغام ببر کا حکم کیسے ٹال سکتے تھے؟ چناں چہ لوگ اٹھ کھڑے ہوئے اور پھر خانہ خدا میں امام الاولیاء مولانا احمد علی لاہوری علیہ الرحمہ کی وہ توہین کی گئی کہ میں ان مناظر کو دہرانے کا تحمل اپنے اندر نہیں پاتا۔ سچ پوچھیے تو اِسی سال شاہ جی کی الٹی گنتی شروع ہو گئی تھی۔

انہی مولانا عرفان شاہ جیسے سنجیدہ عالم کو مولانا خادم حسین رضوی مرحوم کے بپا کردہ دھرنا، اسلام آباد میں فل ڈسکو ڈانس کرتے بھی دیکھا گیا۔ جس میں شاہ جی ٹھمکے لگا لگا کر اور اپنے لحیم و شحیم بدن کو لہکا لہکا کر رقص کی ایک نئی ورائٹی متعارف کروا رہے تھے۔ لوگوں نے اس پہ پھبتیاں کسیں، آوازے اور قہقہے بلند کئے، مگر حضرت لاہوری کی روحانی بددعا نے اس بندۂ خدا کو چشمۂ علم سے اٹھا کر اسلام آباد کی شاہراہ پہ نچا نچا کر بدحال کیا، پھر ان ہی شاہ جی نے اپنے خطاب میں مولانا محمد اعظم طارق شہید کو ''کلموہنہ'' کہہ کر بے علم سامعین سے اپنی ''خطابت'' کی داد وصول کی۔

بعد ازاں ان کے اپنے مدرسہ کے فاضل اور ان کے والد مولانا جلال الدین صاحب کے شاگرد مولانا اشرف آصف جلالی کے ساتھ اختلافات ظہور پزیر ہوئے جو بدقسمتی کے وسیع دشت میں ویران سفر کرتے کرتے آج یہاں تک جا پہنچے کہ آصف صاحب جلالی کے معتقدین نے شاہ جی کو دن میں تارے اور بہروں کی بستی میں باجوں کی دکانیں دکھا دیں۔

اب اگلا منظر ملاحظہ کیجیے مولانا عرفان شاہ صاحب نے 1999ء میں جس گستاخ سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے پنجہ آزمائی کی تھی، 2020ء میں اسی محی الدین شاہ کی دعوت پر اس کے والد محمود شاہ کے عرس میں شرکت کرنے حویلیاں جا پہنچے۔ وہاں ''الف'' انار

''ب'' بکری یوں اکھٹے نظر آئے جیسے ہمارے بچپن کے اسکول والے قاعدہ پہ نظر آیا کرتے تھے۔ دونوں شاہوں نے ''تو مرا ملا بگو من ترا حاجی بگوئیم '' پہ خوب خوب عمل کیا۔ محی الدین شاہ نے کہا اگر ہمارے ماضی میں اختلافات تھے بھی تو آج ہم اپنی دادی سیدہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی نسبت سے ایک ہو چکے ہیں۔ آپ حیران ہوں گے کہ 1999ء میں انگلینڈ والے مباحثہ میں یہ دادی جان کی نسبت سے اکھٹے کیوں نہ ہوئے؟ وہاں تو مولانا عرفان شاہ نے محی الدین کی حقیقی گمراہی کا پردہ چاک کرنے میں کوئی تعلق آڑے نہ آنے دیا، مگر اب دادی جان کی یاد کیسے آ گئی؟

ہم یہ بھی نہیں کہتے کہ دادا جان شیر خدا رضی اللہ عنہ کے سگے بھائی جناب حضرت عقیل جنگ صفین میں اپنے بھائی کی بجائے مخالف کیمپ میں کیوں گئے؟ ہم یہ بھی نہیں کہتے کہ دادی جان کی حرمت کے لج پرور امام حسن رضی اللہ عنہ کی حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کیہاتھوں پر بیعت کی روشن حقیقت نظر انداز کر کے یہ کوا و کبوتر ایک ہی گھونسلہ میں کیسے گھس گئے؟ کیوں کہ یہ ساری باتیں محی الدین شاہ جیسا اناڑی اور طفل بے مکتب نہیں تو نہ سہی، مگر شاہ جی تو خوب جانتے ہیں۔ دوستو! ایک حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا زبردست اور عریاں گستاخ اور دوسرے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے زبردست حامی و ہامی، ان کی شرف صحابیت کے پورے قدردان اور مدافعت کا فریضہ سرانجام دینے والے، آج ایک اسٹیج پہ کیسے جمع ہو گئے؟ تسلیم کہ امام لاہوری رحمہ اللہ کی روحانی بددعا یہاں بھی تعاقب میں ہے۔ مگر اپنے بریلوی بھائیوں کی رضا و رغبت کا بھی تو کوئی چورن ہونا چاہئے؟

اس کا جواب ملاحظہ کیجے:

دو سال قبل مولانا اشرف آصف جلالی نے مشہور زمانہ قضیہ فدک پہ گفتگو کرتے ہوئے حضرت سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے بارگاہ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ میں پیغام بھیجنے کو ''خطاء اجتہادی'' کہا تھا۔ قطع نظر اس سے کہ وہ ان کی اجتہادی خطا تھی یا صواب کے ذریعے اللہ تعالی سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے مقام اصیب و اصدق کا پرچار کروانا چاہتے تھے۔ یہ بات تو بہرحال طے ہے کہ لفظ ''خطاء اجتہادی'' کوئی عیب یا تنقیص والا کلمہ نہیں ہے۔ بلکہ یہ تو اس مومن کامل کی شان علمیت کا روشن استعارہ ہے جس کی علمی خطا بھی اسے اللہ تعالی کا محبوب بنا دیتی ہے۔ اس لفظ سے آج تک وہی لوگ بدکتے، پھڑکتے، پھدکتے اور تھرکتے آئے ہیں جو نہ لفظ خطا کی اصلیت سے واقف ہیں، نہ اجتہاد کے مستجابی مقامات کو جانتے ہیں اور لفظ ''صواب'' جانے ان کی بلا! دھاگے واگے پر گزر اوقات کرنے والا یہ طبقہ جب کبھی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے حوالے سے اسلاف اہل سنت کی کتب میں لفظ ''خطاء اجتہادی'' پڑھتا ہے تو ان کے باطن کا علامہ مجلسی بیدار ہو جاتا ہے۔ وہ خود کو مجسمہ علم و فضل خیال کرتے ہوئے مشتعل ہو جاتے ہیں۔ مگر حیرت ہے مولانا عرفان شاہ جیسا بندہ بھی اس لفظ کیا ستعمال کی آڑ میں اپنے ہم مسلک اور والد کے شاگرد کیخلاف جسمانی قد و قامت کا پہاڑ گجڑا کر دیتا ہے اور مولوی اشرف آصف کی مخالفت میں سیدنا حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے قدیمی، بے نسلی دشمن اور اپنے ماضی کے حریف کو بھی سینے سے لگانے میں عار محسوس نہیں کرتا۔

دراصل یہ سارے شاخسانے باہمی حسد و عداوت، مالی مفادات کے حصول اور بزعم خویش مسلک اعلی حضرت کی ترجمانی کی پگ اپنے سر

سجانے کی بھاگ دوڑ کا نتیجہ ہے۔اسی حرص نے مولانا عرفان شاہ سے امام لاہوری رحمہ اللہ کی توہین کروائی، اسی ہوس نے مولانا خادم حسین رضوی اور اشرف آصف کو مقابل لا کھڑا کر کیا یک دوسرے پر الزمات اگلوائے، اسی لیڈری کے چسکے نے پیر افضل قادری سے افزائش نسل کے فطری ضابطے کو ترک کروا کر ٹسٹ ٹیوب پہ گزارا کرنے پر مجبور اور بالآخر مقہور کر دیا۔اسی قیادت کے نشہ نے مولوی محمد حنیف صاحب قریشی کو بے وزن و حقیر کر دیا۔غرضیکہ قیادت، حب جاہ اور حب مال کا یہ سفر اپنے اندر ہزار داستانیں رکھتا ہے۔آج قدرت کے دست غیبی نیان تمام حضرات کو صحابی رسول ﷺ کی بے ادبی کی دہلیز پر لا کھڑا کر کے ایسے ناک آوٹ کر دیا کہ اپنے حلقہ میں طاؤس و ہما کہلائے جانے والے یہ حضرات اب ''کرگس و نرگس'' بن کر رہ گئے ہیں۔

مولانا محمد حنیف قریشی کے متعلق بندہ کسی دور میں بھی خوش فہمی کا شکار نہیں رہا۔اگرچہ دو سال پہلے انہوں نے از خود مجھ سے رابطہ فرما کر زرہ نوازی کی تھی اور کہا تھا کہ میں نیا آپ کی کتاب "دفاع سیدنا حضرت حسین" ایک دوست کے ہاں دیکھی تو آپ سے رابطے کا اشتیاق پیدا ہوا۔ بندہ نے ان کا شکریہ ادا کیا۔مگر باوجودیکہ اس وقت حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی ذات سے متعلق ان کے خیالات ظاہر نہ ہوئے تھے، بندہ کو ان سے رہ و رسم رکھنے یا علمی تبادلہ خیال کرنے میں بالکل انشراح نہ ہوا۔مکمل انقباض کی کیفیت رہی۔ یہاں تک کہ ان کے بعض طلبہ بندہ سے رابطہ میں رہتے ہیں۔مگر پہلے شک کی وجہ سے اور اب حقیقت احوال منکشف ہو جانے کی بنا پر کبھی علیک سلیک کا شوق پیدا نہیں ہوا۔

قریشی صاحب کو خراب کرنے والے پیر عبدالقادر گیلانی ہیں جو ٹنچ بھاٹہ راولپنڈی کے باسی اور اب مدت سے انگلینڈ میں مقیم ہیں۔ پیر صاحب موصوف تفضیلیت کے علمبردار ہیں، خود بھی اور اپنے چند معتقدین سے اس موضوع پہ کچھ نہ کچھ لکھواتے چھپواتے رہتے ہیں۔ پیر گیلانی صاحب کی بے فیض صحبت نے قریشی صاحب کو تفضیلی بنایا تھا۔اگلی سپیڈ انہوں نے خود پکڑ لی یعنی محض تفضیلیت سے انکا معدہ جب بھر نہ سکا تو اب وہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی شوخیانہ انداز میں بدگوئیاں کرنے لگے۔جس کا برا نتیجہ انہوں نے عرس شریف کے موقع پر بھگت لیا ہے۔

اللہ کرے کہ یہ سب حضرات توبہ و رجوع کے ذریعے آخرت کے مواخذہ سے اپنی جان بخشی کروالیں۔

متذکرہ حضرات میں سے جتنے بھی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی مخالفت میں سامنے آئے ہیں، ہم نے اختصار کے ساتھ ان کی مخالفت کے علل پر اپنی رائے پیش کر دی ہے۔ان میں سے ایک وہ ہے جو اپنے باپ کے قبیح مشن کو آگے چلاتے ہوئے اہانت حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا مرتکب ہوا، دوسرے صاحب وہ ہیں جو اپنے مدرسہ کے ایک شاگرد کی مخالفت میں دشمن حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا ساتھ دینے پر تیار ہو گئے اور ان کی ساداتی چھانجر چھنک پڑی تو اپنی دھمک سے دھاوا بولنا چاہا۔لیکن ظاہر ہے جو کام صحابی کی عداوت کی بنیاد پر ہو اس میں خیر کیسے ہو سکتی تھی؟ نیز ان میں ایک وہ ہیں جو تفضیلیت کی راہ سے اہانت حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ تک جا پہنچے۔ کیوں کہ شیعہ جب تفضیلیت ظاہر کرتا ہے تو حضرات خلفاء ثلاثہ کی توہین کرتا ہے اور جب کوئی سنی کہلانے والا اس دشت کی نوردی کرتا ہے تو وہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر تنقید کر کے اپنی عاقبت اجاڑتا ہے۔

ان سب میں قدر مشترک بغض، حسد، عناد، اور جاہ و مال بٹورنے کی چھینا چھپٹی ہے۔ ان میں کوئی ایک بھی ایسا نہیں ہے جس نے ماضی میں کبھی فسق یزید پر بحثیں کی ہوں۔ اور اب وہ یزید کی آڑ میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی توہین کے مرتکب ہوئے ہوں، بجائے اس کے کہ اسے شیعیت کے زہر کا اثر قرار دیا جائے، بیچ میں بلاوجہ یزید کو لا کھڑا کرنا فتنوں کی دہکتی آگ میں تیل ڈال کر ایک نیا فتنہ پیدا کرنے کے مترادف ہے۔ یہ فلسفہ محمود احمد عباسی اور حکیم فیض عالم صدیقی کا ہے، اہل سنت کا نہیں۔

اگر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا مخالف یزید کو فاسق کہنے کی راہ سے اس بدبختی پر اترا ہے تو پھر خلفائے ثلاثہ کی ذریت میں تو اس کردار نام کا کوئی شخص نہیں، تو ان کو مطعون کیوں کیا جاتا ہے؟ حضرت سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا اور حضرت علی المرتضی رضی اللہ عنہ پر جو اتہامات لگائے جاتے ہیں۔

رہی دل کی دل میں حسرتیں

ازقلم: مولانا عبدالجبار سلفی لاہور

ابھی حضرو سے کال آئی کہ مولانا نثار احمد الحسینی فوت ہو گئے ہیں۔انا للہ وانا الیہ راجعون۔اللہ تعالی ان کی حسنات کو قبول فرمائے اور ہم سب کی لغزشوں کو معاف فرمائے۔آخر ایک دن سبھی نے جانا ہے۔اور مالک الملک کے قانون ازلی کا نفاذ ہو کر رہنا ہے۔الحمدللہ ہمارا جس سے بھی اختلاف ہے، محض احقاق حق، تعبیرات یا تفہیمات کا ہے۔اس میں ذاتیات کا کوئی دخل نہیں ہوتا۔مگر بایں ہمہ ہم انسان ہیں اور انسان مجسمہ نسیان بھی ہے اور پیکر خطاء بھی۔بطور انسان ان کے حق میں اگر کوئی ایسا کلمہ صادر ہوا ہو جو مرحوم کی رنجیدگی طبع کا سبب بنا ہو تو ہم اللہ تعالی کے حضور معافی کے خواستگار ہیں۔ان کی اچانک موت ہم سب کے لئے ایک سبق ہے کہ تبادلہ خیالات ومبادل افکار میں ہم اپنے اپنے وقت موعود کو بھی سامنے رکھیں، اللہ تعالی ہم سب کی حفاظت فرمائے اور مذہب اہل السنت والجماعت پہ کاربند رہنے کی توفیق عطا فرما کر عصر حاضر کے جملہ فتنوں اور فرقوں سے ہماری حفاظت فرمائے۔اللہم آمین

(عبدالجبار سلفی دسمبر 2021ء حال وارد ایبٹ آباد شہر)

ابُوالفضل مولانا قاضی محمد کرم الدین دبیر رحمہ اللہ کے رفقاءِ دورۂ حدیث شریف

ترتیب وتحقیق: مولانا حافظ عبدالجبار سلفی

تاریخی شخصیات کے تذکروں کا کوئی کنارہ یا حد نہیں ہوتی..... بندہ نے اپنے قلبی احساسات، رُوحی کیفیات اور تحقیقی تجلیات سے مغلوب ہو کر جب قائد اہل سنت رحمہ اللہ کے والد گرامی ابوالفضل حضرت مولانا قاضی محمد کرم الدین دبیر رحمہ اللہ [ولادت ۱۸۵۳ء۔ وفات ۱۹۴۶ء] کے سوانح قلمبند کر کے کتابی صورت میں شائع کیے تو اس کے بعد اہل علم وقلم نے مختلف انداز میں اس پر تبصرے کیے تھے حضرت مولانا دبیر مرحوم کی ہمہ جہت شخصیت کے تناظر میں قادیانیوں، رافضیوں، اور سُنی مکاتب فکر کے بریلوی واہل حدیث حضرات نے بہت کچھ لکھا تھا بلکہ بعض مخصوص احوال وجذبات کی وجہ سے دیوبندی مکتب فکر کے دوستوں نے بھی تنقید وجرح کی اس بہتی ندی میں چھلانگ لگا دی۔ کسی نے کنکر کسی نے پانی کے چھینٹے اور کسی نے کیچڑ غرضیکہ جس کے ہاتھ میں جو آیا اس نے بندہ مسکین پر کلوخ اندازی کرنے میں کوئی کسر نہ چھوڑی۔ یہ بندہ کی زندگی کی بڑی دلچسپ کتاب ہے کہ جس میں ہر کمپنی اور فکر ونظر کے کیمپ کے افراد سے پالا پڑا اور کئی رنگ ورُوپ دیکھنے کو ملے۔ اس کی تفصیلات کا تو یہ موقع نہیں ہے۔ تاہم سنجیدہ اور منصف مزاج لوگوں کے ترازوئے خیالات سے جو ایک لائق توجہ تمنا سامنے آئی وہ یہ تھی کہ سوانح مولانا دبیر میں دعویٰ کیا گیا ہے کہ حضرت مولانا مرحوم مظاہر علوم سہارنپور سے فارغ التحصیل تھے۔ اگر ایسا ہی ہے تو ان کے چند رفقاء درس کے نام پیش کر دیئے جاتے تو بہتر تھا۔ گذرے دنوں کے ساتھ ساتھ داغا ہوا یہ اعتراض یا خواہش محبوبانہ مطالبے کا روپ دھار گئی اور کئی قریبی احباب کے چمنِ خیال میں بھی یہ پھول مہکنے لگے کہ حضرت مولانا دبیر رحمہ اللہ کے رفقاء درس کا تذکرہ ضرور سامنے آنا چاہیے۔ زیرنظر مضمون کا داعیہ انہیں مہمخیالات سے برانگیختہ ہوا اور یہ سطور نذر قارئین کی جارہی ہیں۔

یاد رہے کہ مرکز علم وتربیت یعنی دارالعلوم دیوبند کا سن تاسیس ۳۰ مئی ۱۸۶۶ء ہے اور اس کے کم و بیش چھ ماہ بعد ۹، نومبر ۱۸۶۶ء کو مدرسہ مظاہر العلوم سہارنپور کی بنیاد ڈالی گئی تھی۔ مدرسہ ہذا کے قیام کے ٹھیک بارہ سال بعد یعنی ۱۸۷۸ء بمطابق شعبان المعظم ۱۲۹۵ھ میں حضرت مولانا محمد کرم الدین دبیر رحمہ اللہ نے حضرت مولانا احمد علی محدث سہارنپوری رحمہ اللہ سے صحاح ستہ کے اسباق مکمل فرمائے۔ جیسا کہ مولانا شاہد سہارنپوری نے قدیم فضلاء مظاہر العلوم کے ناموں اور سنہائے فراغت کی فہرست میں گیارھویں نمبر پر مولانا کرم الدین دبیر رحمہ اللہ کا ذکر کیا ہے [تاریخ آزادیٔ ہند اور جامعہ مظاہر علوم سہارنپور جلد اول صفحہ نمبر ۷۴، مطبوعہ ۲۰۱۵ء]۔

یہ امر بھی روحانی لذتوں سے بھرپور ہے کہ ۱۸۷۷ء والے سال میں جامعہ مظاہر علوم کی ایک عمارت کا افتتاح اور اسباق کا آغاز امام الکبیر حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمہ اللہ کی تقریر سے ہوا تھا جس سے واضح طور پر مترشح ہے کہ حضرت مولانا دبیر مرحوم کو امام نانوتوی رحمہ اللہ کی زیارت سے بھی آنکھیں ٹھنڈی کرنے کا شرف حاصل ہے۔ دارالعلوم دیوبند اور مظاہر علوم سہارنپور کا یہ دورِ اوّلین تھا جس کے کامل وقابل فضلاء میں حضرت مولانا دبیر مرحوم کا نام شامل ہے۔ دارالعلوم دیوبند کے محدث اول امام نانوتوی رحمہ اللہ تھے تو مظاہر علوم کی مسند علم حدیث پر مولانا احمد علی محدث سہارنپوری رحمہ اللہ براجمان تھے اور اللہ کی شان دیکھیے کہ ان دونوں عظیم المرتبت ہستیوں کے دنیائے فانی سے رخصت ہونے میں بھی صرف ایک دن کا فرق ہے۔ پہلے امام نانوتوی رحمہ اللہ اور اگلے دن حضرت سہارنپوری کا انتقال ہوا۔ ۱۸۷۸ء بمطابق ۱۲۹۵ھ میں سات طلبۂ عظام دورۂ حدیث شریف کی کلاس میں ہم درس و ہم مکتب تھے اور یہ اپنے وقت کے کامیاب مناظر، باکمال صوفی، اعلیٰ ظرف محقق اور دینِ اسلام کے مخلص ومجاہدانہ کردار کے حامل جہابذہ ثابت ہوئے۔ ان حُسن کردار اور علمی فیوضات کے مجسموں کے ناموں پر نظر ڈالیے:

① ابوالفضل مولانا محمد کرم الدین دبیر ② مولانا پیر مہر علی شاہ ③ مولانا فضل علی قریشی [مدفون خانقاہ مسکین پور شریف ضلع مظفر گڑھ] ④ مولانا اشرف علیؒ سلطان پوری ⑤ مولانا غلام احمد ڈوگہ، گجرات (پاکستان) ⑥ مولانا سید دیدار علی الوری [جامعہ حزب الاحناف لاہور] ⑦ مولانا عبدالجبار عمرپوری ضلع، مظفر نگر۔

گئے وقتوں کے یہ اولوالعزم لوگ کہ جن کی یادوں کے چراغ آج بھی عقل و دانش کے لبِ بام اپنی لَو بلند رکھے ہوئے روشن ہیں۔ ان شخصیات کے فکر ونظر، مزاج واطوار، دینی دائرہ کار یا مسلک ومشرب پر دلیل و برہان سے اپنی اپنی مختلف آراء تو دی جاسکتی ہیں مگر ان کے علمی قد وقامت اور عملی وقار پر کوئی متعصب ہی انگشت نمائی کرسکتا ہے اس لیے کہ تعصب جنگلی بھینسے کی طرح فقط اپنی طاقت کا مظاہرہ کرتا ہے جب کہ اس کے برعکس تصلب، منصف مزاجی، معتدل اندازِ فکر اور نورِ فہم وتقویٰ ہر ایک کو اس کے مقام پر رکھ کر شخصی عزت بھی دیتا ہے اور اختلافِ مشرب کا کھل کر اظہار کرنے کا حق بھی ضائع نہیں ہونے دیتا۔ سو حضرت مولانا دبیر مرحوم کے ان رفقاء درس کے اختصار کے ساتھ احوال ملاحظہ کیجیے۔

① حضرت مولانا پیر مہر علی شاہؒ گولڑوی

۱۸۷۸ء میں جامعہ مظاہر علوم سہارنپور سے سند فراغت پانے کے بعد تصوف وسلوک کے مطلع پر بھی ماہتاب بن کر چمکے اور فرقہائے باطلہ کی سرکوبی میں بھی صفوف اولین میں رہے۔ فتنہ مرزائیت کی تحریک میں معاصر اہل علم نے آپ کو اپنی تمام تحریکوں کا متفقہ قائد منتخب کیا۔ جہاں حضرت خواجہ شمس الدین سیالویؒ سے خلعت خلافت ملی وہاں حرمین شریفین کی حاضری کے موقع پر حضرت حاجی صاحب امداد اللہ مہاجر مکی رحمہ اللہ نے بھی اپنا خلیفہ مُجاز قرار دیا۔ مناظرے کا بھی خاص ذوق تھا مگر کل وقتی طور پر اس کو اپنا شغف نہیں بنایا۔ رئیس الموحدین حضرت مولانا حسین علی رحمہ اللہ واں بھچراں، میانوالی والوں کے ساتھ بھی ایک علمی مسئلہ پر مناظرہ طے پا گیا تھا مگر ایک خاص وجہ سے مجلس مناظرہ برخاست ہوگئی تھی۔ وہ خاص وجہ کتابوں میں مجملاً اور پرانی شخصیات کے سینوں میں مفصلاً محفوظ رہی اور کاتب السطور نے بھی ایک بڑی روحانی وتحریکی شخصیت سے اُگلوا لی تھی مگر اسے صفحہ قرطاس پر ثبت کرنا اصولِ صحافت اور تصنیفی شرافت کے خلاف ہے۔ پیر صاحب کی کتابوں میں ① تصفیہ مابین سُنی و شیعہ ② سیف چشتیائی ③ اور شمس الہدایہ لائق مطالعہ ہیں۔ خواجہ حسن نظامی اپنے تلوّن طبع اور بقول ان کے مزاج کی حسّاسیت کی وجہ سے شروع میں تکفیر مرزائیت کے قائل نہیں تھے مگر حضرت پیر صاحب کے فتویٰ کے بعد انہوں نے باقاعدہ اپنے موقف سے رجوع کر کے مرزائیوں کی تکفیر پر اشتہار شائع کروایا تھا۔ اور خواجہ حسن نظامی نیز امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ صاحب بخاری رحمہ اللہ دونوں کے متعلق پیر مہر علی شاہ صاحب نے دعا فرمائی تھی اول الذکر کے متعلق حُسن تحریر کی اور ثانی الذکر کے متعلق حُسنِ تقریر کی، اور یہ بھی فرمایا کہ یہ دونوں مقامات پُرخطر ہیں ان کے مثبت استعمال پر

توجہ دینی چاہیے [مہر منیر سوانح حضرت پیر صاحب صفحہ ۲۹۲، مطبوعہ ۱۹۹۷ء اسلام]۔

پیر صاحب آف گولڑہ شریف کا جب ۱۲، مئی ۱۹۳۷ء میں انتقال ہوا تو حضرت مولانا کرم الدین مرحوم نے اپنے ہم کلاس کی جدائی پر فارسی میں مرثیہ لکھا تھا جو سوانح مولانا دبیر میں موجود ہے۔ یاد رہے کہ تکفیر روافض پر حضرت پیر صاحب گولڑہ شریف کا سب سے پہلا فتویٰ حضرت مولانا دبیر رحمہ اللہ کے اعتماد پر ہی ''آفتاب ہدایت'' میں طبع ہوا تھا جو ستمبر ۱۹۲۵ء میں مولانا دبیر مرحوم کے گوہر آبدار قلم سے منصۂ شہود پر آئی تھی۔ باوجودیکہ پیر صاحب ہم کلاس تھے مگر ان کی روحانی عظمت اور نسبی شرافت کی وجہ سے مولانا دبیر مرحوم نے انہیں ہمیشہ اپنا مقتداء جانا اور تعظیم و توقیر میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کیا۔

② مولانا فضل علی قریشی رحمہ اللہ

مولانا کرم الدین رحمہ اللہ کے دورہ حدیث شریف کے رفقاء میں دوسرا اہم نام مولانا فضل علی قریشی رحمہ اللہ کا ہے جن کے اجداد حجاز سے اولاً سندھ میں اور بعدازاں ضلع میانوالی کے علاقہ داؤد خیل میں منتقل ہوئے تھے اور پھر وہاں سے مسکین پور شریف ضلع مظفر گڑھ چلے گئے اور وہیں پر مدفون ہوئے۔ خانقاہ مسکین پور شریف کے موجودہ سجادہ نشین عالم باعمل حضرت مولانا محمد شاہ صاحب دامت برکاتہم کے والد گرامی مولانا فضل علی قریشی رحمہ اللہ کے نواسہ تھے۔ مولانا فضل علی قریشی کے والد گرامی کا نام سید مراد علی شاہ (۱) تھا۔

حجاز میں عباسیوں کے استبداد کے نتیجہ میں ان کا خاندان اولاً سندھ اور پھر ضلع میانوالی میں آبسا تھا۔ مولانا فضل علی قریشی نے اپنی پہلی بیعت خانقاہ دندہ شاہ بلاول کے اس زمانہ کے سجادہ نشین حضرت قبلہ سید لعل شاہ صاحب کی تھی جو اپنے اجداد کے علاوہ حضرت خواجہ دوست محمد قندھاری رحمہ اللہ کے خلیفہ بھی تھے۔ سید لعل شاہ صاحب کی عظمت کا اندازہ یہاں سے لگایا جاسکتا ہے کہ ان کے پیر بھائی حضرت خواجہ عثمان دامانی رحمہ اللہ سے جو کوئی بیعت ہونے کی درخواست کرتا تو وہ فرماتے تھے میں نے

---

۱) بعض حضرات نے سید فرزند علی شاہ لکھا ہے جو کہ درست نہیں ہے۔ ہم نے خانقاہ مسکین پور شریف میں مولانا محمد شاہ صاحب سے دریافت کیا تو انہوں نے فرمایا کہ مولانا فضل علی قریشی رحمہ اللہ کے والد گرامی کا نام سید مراد علی شاہ تھا۔ ''تاریخ آزادی ہند'' میں بھی مصنف مدظلہ سے یہ تسامح واقع ہوا ہے۔ سلفی

آج کل بیعت کا سلسلہ روک رکھا ہے لہٰذا تم دندہ شاہ بلاول جا کر سید لعل شاہ صاحب سے بیعت کر لو، الحمدللہ کاتب السطور کے دادا جان مواز خان اعوان رحمہ اللہ [متوفی ۱۹۵۷ء مدفون ڈھوک غزن ضلع میانوالی) بھی سید لعل شاہ صاحب سے بیعت تھے اور بعد میں چند صحبتیں مولانا حسین علی واں بھچروی رحمہ اللہ [متوفی ۱۹۴۲ء] کی بھی نصیب ہوئیں۔ جدامجد کے ہمراہ بندہ کے قبلہ والد گرامی نے بھی مولانا حسین علی مرحوم کی زیارت کی تھی۔

مولانا فضل علی قریشی کی داؤد خیل سے مظفر گڑھ مسکین پور میں منتقلی کی داستان بھی دلچسپ اور روحانیت سے معمور ہے مگر بخوف طوالت ہم درج کرنے سے قاصر ہیں۔ مولانا فضل علی قریشی ۱۸۷۷ء والے سال مظاہر علوم سہارنپور میں داخل ہوئے اور حضرت مولانا احمد علی محدث سہارنپوری رحمہ اللہ سے صحاح ستہ کی تکمیل کرنے کے بعد مولانا کرم الدین مرحوم کے ہمراہ ۱۸۷۸ء میں فارغ التحصیل ہوئے۔

③ مولانا اشرف علی رحمہ اللہ سلطانپوری

حضرت مولانا محمد کرم الدین رحمہ اللہ کے رفقاء دورۂ حدیث شریف میں تیسرا نام اس عظیم شخصیت کا ہے۔ جب مرزا غلام احمد قادیانی نے دعویٰ نبوت کیا تو مولانا اشرف علی سلطانپوری متذبذب اور حُسن ظن میں مبتلا رہے کہ یہ شخص عیسائیت کی تردید میں چونکہ بڑے بڑے جغادری پادریوں سے سینگ آزمائی کرتا رہا ہے تو حیات حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق اس کے دعاوی محض تعبیرات کی غلطی پر مبنی ہیں اور اس کا دعویٰ نبوت بھی بعض صوفیانہ شطحیات کا نتیجہ ہے مگر مرزا صاحب کی کتاب ''ازالۂ اوہام'' جب چھپی تو ان کی آنکھیں کھل گئی پھر انہوں نے فقیہ النفس حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ سے درخواست کی کہ آپ چونکہ صاحبِ کشف اور متبع سنت بزرگ ہیں اس لیے بذریعہ کشف مرزا قادیانی کی باطنی کیفیت اور مذہبی حالت مجھ پر منکشف فرمائیں چنانچہ حضرت گنگوہی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ مجھے کشفی حالت میں اس شخص کا انجام مسلیمہ کذاب اسود عنسی اور مختار ثقفی کے ساتھ دکھایا گیا ہے تب جا کر مولانا اشرف علی رحمہ اللہ سلطانپوری کو کامل اطمینان ہوا تو پھر انہوں نے تردید مرزائیت میں ''تنبیہ المغرور'' نامی کتاب تصنیف فرمائی اور قادیانی ذریت کے دجل وفریب کو آشکار کیا۔ یہ عالم دین بھی مولانا کرم الدین دبیر رحمہ اللہ اور مولانا پیر مہر علی شاہ رحمہ اللہ کی طرح باکمال مناظر تھے اور

تصوف وسلوک میں بھی اعلیٰ مقام کے حامل تھے۔

④ مولانا عبدالجبارؒ عمر پوری

مولانا عبدالجبار عمر پوری رحمہ اللہ کو بھی حضرت مولانا کرم الدین دبیر رحمہ اللہ کے رفقاء دورہ حدیث شریف میں سے ممتاز اہمیت و مرتبہ حاصل ہے۔ آپ خاندانی اعتبار سے حنفی المشرب نہیں بلکہ اہل حدیث مکتب فکر سے تعلق رکھتے تھے۔ ''عمر پور'' ایک قصبہ ہے جو بڑھانہ سے متصل ضلع مظفر نگر میں واقع ہے۔ والد گرامی کا نام منشی بدرالدین تھا۔ مولانا محمد تنزیل صدیقی کی کتاب ''اصحابِ علم وفضل'' میں ان کا تذکرہ موجود ہے۔ ۱۸۷۸ء میں حضرت مولانا احمد علی محدث سہارنپوری رحمہ اللہ سے کتب صحاح ستہ کی تکمیل کر کے پھر دہلی چلے گئے اور وہاں مولانا سید میاں نذیر حسین صاحب محدث دہلوی رحمہ اللہ سے صحیحین شریفین اور ترجمہ قرآن مجید بارِدگر پڑھنے کا شرف حاصل کیا۔

۱۹۸۳ء میں آپ نے ایک ماہنامہ رسالہ ''التبلیغ'' کا اجراء کیا تھا جو بعد ہفت روزہ کر دیا گیا تھا۔ اسی طرح کلکتہ سے مجلّہ ''ضیاء السنۃ'' کا اجراء بھی آپ کے قابلِ قدر کارناموں میں سے ایک ہے۔ برصغیر میں انکار حدیث کے فتنہ کو پروان چڑھانے والے عبداللہ چکڑالوی کا بھی آپ نے بھرپور اور مردانہ وار تعاقب کیا جن دنوں کاتب السطور اپنی کتاب ''عبداللہ چکڑالوی اور فتنہ انکارِ حدیث'' کی تصنیف کے لیے مختلف کتاب خانوں میں جا کر مطلوبہ تاریخی مواد جمع کرنے کی مہم جوئی میں مصروف تھا تو تب پرانے جرائد و اخبارات میں مولانا عمر پوری مرحوم کے کئی مقالات نظر سے گذرے بعد مین جب ان کے مولانا کرم الدین مرحوم کے رفیق درس ہونے کا راز منکشف ہوا تو طبعی طور پر محبت بڑھی اور پھر ان کی خدمات دینیہ کا جائزہ لیتے ہوئے جب اوراق گردانی کے مراحل سے گذر ہوا تو حُسن عقیدت میں بے پناہ اضافہ ہوا۔ سبحان اللہ! کیسے کیسے نگینے لوگ تھے۔ آپ جنوری ۱۹۱۶ء میں دہلی میں فوت ہوئے۔

⑤ مولانا غلام احمد رحمہ اللہ، ڈوگہ، گجرات، (پاکستان)

ضلع گجرات کے تحصیل کھاریاں کے ساتھ پنچی گھوڑی نامی ایک گاؤں سے متصل ''ڈوگہ'' واقع ہے جہاں مرحوم خدا بخش کے ہاں مولانا غلام احمد رحمہ اللہ کی ولادت ہوئی تھی۔ آپ بھی مولانا کرم الدین رحمہ اللہ کے رفقاء دورہ حدیث میں سے نمایاں حیثیت رکھتے تھے۔ آپ کو حضرت مولانا رشید احمد

گنگوہی رحمہ اللہ کے دست حق پرست پر بیعت کرنے کا شرف بھی حاصل تھا۔ فارغ التحصیل ہونے کے بعد مظاہر علوم ہی میں کچھ عرصہ تدریس بھی کرتے رہے پھر واپس آ کر اپنے گاؤں ہی کو مرکز بنا کر خدمات دین کا سلسلہ جاری کیا، تردید مرزائیت پر آپ کی شخصیت اور علاقہ ڈوگہ کو معتبر جانا جاتا تھا اور عوام وخواص بوقت ضرورت آپ کی طرف مراجعت کیا کرتے تھے۔

⑥ مولانا دیدار علی الوریؒ

قوی قرینہ دلالت کرتا ہے کہ مولانا دیدار علی الوری بھی مولانا کرم الدین کے دورۂ حدیث شریف کے رفیق وہم جلیس ہیں۔ کیونکہ حضرت مولانا احمد علی محدث سہارنپوری رحمہ اللہ سے مدرسہ مظاہر علوم میں ۱۸۷۸ء بمطابق ۱۲۹۵ھ ماہ شعبان المعظم میں صحاح ستہ مکمل کرنے والے فضلاء میں آپ کا نام بھی درج ہے۔ علاوہ ازیں علمی محاذوں پر یہ مولانا دبیر مرحوم کے موید رہے۔ آپ کا مولد تو الور شہر میں محلّہ نواب پورہ ہے مگر دیگر شہروں میں بغرضِ تعلیم وتدریس مقیم رہنے کے بعد ۱۹۰۷ء میں لاہور آ گئے یہاں مسجد وزیر خان کے خطیب مقرر ہوئے اور ساتھ ہی انجمن حزب الاحناف کی بنیاد رکھی جس کے تحت مدرسہ حزب الاحناف اور مختلف شعبہ جات سرگرم عمل ہیں۔ آپ ۱۹۳۵ء میں فوت ہوئے اور مسجد وزیر خان کے عقب میں اندرون دہلی دروازہ کی مسجد (جس میں قدیم مدرسہ حزب الاحناف واقع تھا) میں مدفون ہوئے۔ مولانا ابوالبرکات سید احمد قادری اور ابوالحسنات سید محمد احمد قادری آپ کے بیٹے تھے۔ مولانا دیدار علی مرحوم لاہور مسجد وزیر خان منتقل ہونے کے بعد متشددانہ مزاج کے مالک ہوگئے تھے اور مولانا احمد رضا خان صاحب مرحوم کے فلسفہ تشدد کے داعی بن گئے تھے۔ علامہ اقبال مرحوم بھی ان کا نشانہ تکفیر اور ہدفِ وہابیت رہے۔ اور امام الاولیاء حضرت مولانا احمد علی لاہوری رحمہ اللہ جب شیرانوالہ گیٹ میں علوم وعرفان کے دریا بہانے میں مصروف تھے تو انہیں بھی مولانا دیدار علی مرحوم کے جذبہ حسد سے نمٹنا پڑا تھا مولانا دیدار علی مرحوم حضرت لاہوری رحمہ اللہ کو اپنی شان عالمانہ کے برعکس برا بھلا کہا کرتے تھے جس کی وجہ سے اندرون لاہور میں لوگوں کی زبان پر مشہور ہوگیا تھا کہ ''قرآن سننا ہو تو شیرانوالہ گیٹ جاؤ اور گالیاں سننی ہوں تو اندرون دہلی دروازہ چلے جاؤ۔'' [ہفت روزہ ''خدام الدین'' کا امام لاہوریؒ نمبر صفحہ ۳۵۷، مطبوعہ ۱۹۷۸ء]۔

یہاں ہم پیدا ہونے والے اس اشتباہ کو بھی رفع کرتے چلیں کہ حضرت مولانا محمد حسن فیضی نے

ابتدائی تعلیم مولانا قاضی عبدالحلیم ڈھاباں والوں سے حاصل کی جو رشتے میں مولانا فیضی مرحوم کے ماموں لگتے تھے۔ اس کے علاوہ مولانا دبیر مرحوم کے ساتھ مختلف مقامات پر کتابیں پڑھتے رہے مگر فضلاء سہارنپور میں مولانا محمد حسن فیضی مرحوم کا نام نہیں ملتا۔ قائد اہل سنت حضرت مولانا قاضی مظہر حسین رحمہ اللہ نے مقدمہ آفتابِ ہدایت مطبوعہ ۱۹۵۰ء میں لکھا ہے کہ ''دونوں بھائی سہارنپور گئے تھے مگر بوجہ آب و ہوا کی ناموافقت، واپس آ گئے اور پھر امرتسر میں بقیہ کتب کی تکمیل کی۔''

غالب گمان یہی ہے کہ مولانا فیضی مرحوم بیمار ہو کر واپس آ گئے تھے کیونکہ مولانا محمد کرم الدین دبیر مرحوم کا تو مولانا احمد علی سہارنپوری رحمہ اللہ کے ہاں ۱۸۷۸ء میں صحاح ستہ کی مکمل کتب پڑھنے کا کھلا ثبوت اور جامعہ مظاہر علوم سہارنپور سے جاری ہونے والی فضلاء کی فہرست میں باقاعدہ تذکرہ موجود ہے۔ حضرت اقدس رحمہ اللہ کی مذکورہ عبارت کا بندہ جب دیگر قرائن سے موازنہ کرتا ہے تو تطبیق کے طور پر یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ دونوں بھائی بیماری کے سبب واپس آ گئے ہوں گے مگر دوبارہ مولانا دبیر مرحوم نے اکیلے سہارنپور کا سفر کیا ہوگا اور پھر فراغت حاصل کی۔ اللہ تعالیٰ اعلم۔

علاوہ ازیں ۱۹۱۱ء میں حضرت مولانا دبیر رحمہ اللہ کا تلہ گنگ میں اہل تشیع کے ساتھ ایک یادگار مباحثہ ہوا تھا جو متواتر تین دن تک جاری رہا تھا پھر اس کی مکمل روداد حضرت مرحوم نے اپنی کتاب ''تازیانہ سنت ردِّ اہل رفض و بدعت'' میں قلمبند کی تھی۔ اللہ تعالیٰ کا شکر کس زبان سے ادا ہو کہ ۱۹۱۱ء میں پہلی بار چھپنے والی اس کتاب کی اشاعت جدید کی توفیق ایک سو سال کے بعد اللہ کریم نے اس حقیر کاتب السطور کو عطا کی اور ایک جاندار مقدمہ وحواشی کے ساتھ دورِ جدید کے تقاضوں کے مطابق یہ کتاب چھپ کر اہل علم کے ہاتھوں میں پہنچ چکی ہے ثم الحمدلله علی ذالك۔

اس روداد مناظرہ کے رد میں معاصر شیعہ عالم مولوی سید احمد شاہ صاحب ڈھوک رتّہ (راولپنڈی) نے دو اشتہارات بعنوان ① حیدری نشان اور ② سیف الصدیق جاری کیے تھے پھر ان کے جواب الجواب میں مولانا کرم الدین رحمہ اللہ نے ''روافض کی ذلت کا نشان یعنی احمد شاہ شیعی کا ہذیان'' کے نام سے معرکہ آراء مضمون لکھا تھا جو ''تازیانہ سنت'' میں شامل ہے۔ یہ داستان لکھنے کا مقصد یہ ہے کہ شیعہ عالم مولانا سید احمد شاہ صاحب ڈھوک رتّہ والوں نے ایک جگہ اعتراض کیا تھا کہ

> ''مولوی احمد الدین [دھرابی والے] مولوی کرم الدین [بھیں] اور مولوی محمود [گنجہ گجرات] صاحبان کس مدرسہ کے تعلیم یافتہ ہیں؟ جس کے باعث ان کو عربی دانی کا امراء القیس خیال

کر کے علماء شیعہ پر فوقیت دے کر اخبارات میں مشہور کیا گیا؟''

اس کا جواب حضرت مولانا دبیر مرحوم یوں زیب رقم کرتے ہیں:۔

''ہم عربی کے اسلامی مدارس کے تعلیم یافتہ ہیں اور ہمارے پاس تحصیل علوم عربیہ کی سندیں موجود ہیں آپ چاہیں تو دیکھ سکتے ہیں لیکن آپ نے ہم سے سند کا مطالبہ تب کرنا تھا کہ اپنی سندِ فضیلت پبلک کے سامنے پیش کر دی ہوتی۔ ہاں آپ کی عربی دانی کی قلعی آپ کی ''سیف الزندیق'' نے کھول دی ہے جہاں آپ نے شروع میں ہی تحریر فرمایا ہے کہ ''الحمدلله الحكيم المعبود المتفرد بالا ذلية والا بود''۔ازل، ابد تو سب لوگ جانتے ہیں اور ''اذلیت'' بھی محاورہ ہے لیکن ''ابود'' آپ نے عجیب لفظ پیش کیا، غالباً یہ ابد کی مصدر بنائی گئی ہے۔ زرا مہربانی فرما کر عربی کی کسی ڈکشنری سے اس کا ثبوت دیجیے گا۔ یا کسی قاعدہ صَرَف سے ہی بنا دکھایئے۔ ورنہ شاہ صاحب کی علمیت اور عربیت طشت از بام ہوگئی۔ کیا اسی بضاعت پر تصنیف کا کام شروع کیا ہے۔ واہ حضرت واہ، آپ تصنیف کے ہرگز اہل نہیں ہیں۔'' [تازیانہ سنت ردِّ اہل رفض و بدعت'' ص ۱۲۰، مطبوعہ ادارہ مظہر التحقیق لاہور، طبع دوم ۲۰۱۳ء، طبع اوّل صفحہ ۵۵، ۱۹۱۱ء]۔

اس عبارت میں مولانا دبیر مرحوم کے اپنے قلم سے سند یافتہ ہونا ثابت ہوگیا، باقی اس اجمال کی تفصیل کہ فراغت کہاں سے تھی؟ کس سن میں ہوئی؟ کس محدث سے کسب فیض کیا؟ اور رفقاء درس میں معروف شخصیات کون کون سی تھیں؟ یہ مکمل احوال وکوائف بھی زیرِنظر مقالہ میں پیش کر دیئے گئے ہیں اور اگر آپ اس مضمون کی بھی تفصیل چاہتے ہیں تو پھر ''سوانح مولانا محمد کرم الدین دبیر'' کی طرف مراجعت فرمایئے جس میں آپ کی شخصیت و خدمات کے اکثر و بیشتر پہلوؤں پر ہم اپنی ہمت و بساط کے مطابق قلم آرائی کر چکے ہیں۔

قسط①

قائد اہل سنت رحمہ اللہ کی تصنیف لطیف

''خارجی فتنہ'' کی ایک عبارت کی تشریح

ازقلم عبدالجبار سلفی

قائد اہل سنت حضرت مولانا قاضی مظہر حسین رحمہ اللہ نے اپنی معروف کتاب ''خارجی فتنہ'' جلد اوّل جون ۱۹۸۲ء بمطابق رمضان المبارک ۱۴۰۲ھ میں مکمل کر کے شائع کروائی تھی۔ حضرت قاضی صاحب رحمہ اللہ کا فکری میدان دفاعِ صحابہ کرامؓ و اہل بیت تھا جس کی تفصیل میں ازواج مطہرات و بناتِ طاہرات کی شرعی عظمتوں اور اہل سنت والجماعت کے عقائد ونظریات کے ساتھ ساتھ فہم سَلَف کا تحفظ و اشاعت بھی شامل ہے۔ حضرت قائد اہل سنت رحمہ اللہ کی پوری زندگی کوشش رہی کہ ان کے بیان وتحریر میں کہیں کوئی ادنیٰ اقدام بھی منشائے سلف سے ہٹا ہوا نہ ہو.....مگر جادۂ اعتدال سے متجاوز لوگوں کا اپنا ایک مخصوص مزاج ہوتا ہے اور وہ کولہو کے بیل کی طرح ساری زندگی اسی مخصوص ذہنیت کے گرد گھومتے گذار دیتے ہیں۔

ہمیں قائد اہل سنت رحمہ اللہ کی ذات شریف پر خدانخواستہ معصوم ہونے کا اعتقاد نہیں ہے اور نہ ہی فکری مغالطہ، علمی تسامح یا بشری لغزش کسی ذی مرتبت ہستی کے حق میں کوئی عار یا امر ناممکنات میں سے ہے۔ مگر جب کسی ایسی شخصیت سے منسوب بات کو فتنے کا رنگ دے کر اچھالا جائے کہ جن کی نہ صرف اپنی بلکہ اجداد تک کی زندگی عظمت صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے دفاع میں صَرف ہوئی ہو۔ اور پھر غلط فہمی پر مبنی بات کی توضیح وتشریح بھی متعدد زاویوں سے ہو چکی ہو تو دل کو ٹھیس پہنچتی ہے۔ ''خارجی فتنہ'' جلد اوّل طبع اول کے صفحہ نمبر ۴۵۵ پر موجودہ ایک عبارت کو آج کل سوشل اور پرنٹ میڈیا پر بطور پروپیگنڈہ اچھالا جا رہا ہے اور نئی نسل کو یہ سبق دیا جا رہا ہے کہ حضرت قاضی صاحب نے اپنے قلم سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی بے ادبی کا ارتکاب کیا ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ قرآن مجید کی بعض آیات، احادیث کی روایات اور اکابرین امت تک کی کتابوں میں بعض عبارات کے ظاہر سے ایک عامی

قاری کے دماغ کو دھچکا لگ جاتا ہے اورہ اپنی کم علمی کی بناء پر اشتباہ میں پڑ جاتا ہے مگر سمجھدار اور منصف مزاج انسان معاصر اہل علم سے وضاحت لے کر دماغی الجھنوں کا ازالہ کرتا ہے نہ کہ مزید اپنے آپ کو شکوک وشبہات کے پھندوں میں پھنسا کر تردّد حلَجان پیدا کرتا ہے۔ چنانچہ بعض صالح طبائع اور متفکر علماء کرام نے ''خارجی فتنہ'' کی متذکرہ عبارت کی شرح و وضاحت اور تشفی چاہی ہے اور جب انہیں اختصار سے آگاہ کیا گیا تو وہ مطمئن ہونے کے ساتھ اس کی تفصیل کے بھی متمنی دکھائی دیئے۔سوان کے احترام میں اس عبارت کی وضاحت پیش کی جارہی ہے۔ پہلے عبارت ملاحظہ کیجیے۔ حضرت اقدس قاضی صاحب رحمہ اللہ رقم زن ہیں۔

''جہاں تک حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ رفعِ تنازع کے لیے رواداری کر سکتے تھے آپ نے فرمائی چنانچہ حکمین کا تقرر تسلیم کر لیا اور یہ بھی اس لیے کہ آپ فریق ثانی یعنی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو حقیقتاً باغی قرار نہیں دیتے تھے [بوجہ ان کے اجتہادی اختلاف کے] لیکن جب حکمین نے آپ کو معزول کر دیا تو چونکہ یہ فیصلہ آیت استخلاف کے خلاف تھا اس لیے آپ اس کو قبول نہیں کر سکتے تھے چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے لا طاعة المخلوق فی معصية الخالق (جس کام میں خالق کی نافرمانی لازم آتی ہو اس میں مخلوق کی اطاعت جائز نہیں ہے) حضرت علی رضی اللہ عنہ کو معزول کرنا ہرگز ہرگز جائز نہیں تھا بلکہ گناہ تھا۔سندیلوی صاحب اگر آیتِ استخلاف پر ایمان رکھیں تو ماننا پڑے گا کہ چونکہ حسبِ امر بصورتِ وعدہ اللہ تعالیٰ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو خلیفہ مقرر فرمایا تھا اس لیے اللہ تعالیٰ کے مقرر کردہ خلیفہ کو معزول کرنا یقیناً سخت نافرمانی ہے اور اگر حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ حکمین کا فیصلہ قبول فرما لیتے تو یہ بھی آیت [استخلاف] کے تقاضہ کے خلاف ہوتا لیکن حق تعالیٰ کی مرضی کے خلاف کام وہ کر ہی نہیں سکتے تھے اس لیے حضرت علیؓ سے وہی عمل صادر ہوا جو مرضیٔ حق تعالیٰ کے عین مطابق تھا اگر بالفرض حضرت علی رضی اللہ عنہ معزول ہو جاتے تو آج ہم حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو اللہ تعالیٰ کا مقرر کردہ چوتھا موعود خلیفہ نہیں قرار دے سکتے تھے۔اس صورت میں روافض کے لیے بھی خلفائے ثلاثہ کے انکار کا رستہ کھل سکتا تھا اور وہ کہہ سکتے تھے کہ جس طرح حضرت علی رضی اللہ عنہ کو وعدہ خداوندی کے باوجود معزول کرنا صحیح ہے اسی طرح خلفائے ثلاثہ کا انتخاب بھی باوجود وعدہ خداوندی صحیح نہ تھا اور وہ خلافتِ راشدہ [کے منصب] پر فائز ہونے کے اہل نہ تھے تو کیا سندیلوی صاحب کے پاس ازروئے علم و دیانت اس کا کوئی

جواب ہے؟ [خارجی فتنہ جلد اول، طبع اول صفحہ نمبر ۴۵۵، طبع ثانی صفحہ نمبر)

معترضین کا موقف یہ ہے کہ چونکہ جنگ صفین کے بعد باہمی اتفاق سے دو منصف طے ہوئے تھے جنہیں ''حکمین'' کہا جاتا ہے اور یہ جناب نبی اکرم ﷺ کے دو جلیل القدر اور ذی مرتبت صحابی تھے یعنی حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ اور حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ۔ تو حضرت قاضی صاحب نے ان دو صحابہ کرامؓ کی شان میں غیر مودبانہ کلمات استعمال کیے ہیں یعنی حکمین کا حضرت علی رضی اللہ عنہ کو معزول کرنا جائز نہیں تھا، گناہ تھا، یقیناً سخت نافرمانی ہے وغیرہ وغیرہ۔

تبصرہ و تجزیہ:

ابتدائی طور پر مندرجہ ذیل حقائق پیش نظر رکھیں:

اولاً: تحکیم کا مطلب ہے دونوں جماعتیں اپنی طرف سے ایک ایک آدمی کو بطورِ حَکَم یعنی منصفانہ فیصلہ کرنے والا منتخب کر لیں۔ حضرت عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ کی مظلومانہ شہادت کے بعد جب حضرت علی المرتضی رضی اللہ عنہ خلیفہ رابع کے طور پر منتخب ہوئے تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ایک جماعت نے اپنی بیعت کو قاتلین حضرتِ عثمان رضی اللہ عنہ کے قصاص کے ساتھ مشروط کر کے توقف کیا تھا۔ اس گروہ کے سرخیل حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا تھیں۔ جب کہ کچھ صحابہ کرامؓ نے مطالبہ قصاص برقرار رکھتے ہوئے بلا توقف بیعتِ بر دستِ علی رضی اللہ عنہ کر لی تھی مثلاً حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیرؓ۔ حضرت طلحہؓ کے متعلق تو یہاں تک لکھا ہے کہ بذاتِ خود حضرت علی رضی اللہ عنہ ان کے پاس گئے اور فرمایا طلحہ ہاتھ بڑھاؤ تاکہ میں تمہاری بیعت کر لوں۔ لیکن حضرت طلحہؓ نے فرمایا خلافت کے آپ ہی مستحق ہیں، اور آپ ہی امیرالمومنین ہیں یہ کہہ کر انہوں نے آگے بڑھا کر حضرت علی رضی اللہ عنہ کی بیعت کر لی۔ [۱۔ تاریخ طبری جلد اول ص ۴۵۶۔ ۲۔ الانتصار للصحب والآل ص ۲۳۶]۔

یہ تفصیلات عرض کرنے کا مقصد یہ ہے کہ بشمول حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کسی ایک صحابی کو بھی حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت پر نہ تحفظات تھے اور نہ انکار کی گنجائش تھی۔ یہ اختلاف صرف اور صرف قاتلین حضرت عثمان ذوالنورینؓ سے قصاص لینے پر تھا۔ چنانچہ اسی مطالبے نے صحابہ کرامؓ کو جنگ جمل، جنگ صفین، جنگ نہروان تک کی آزمائشوں میں مبتلا کر دیا اور ان واقعات وسانحات کے دل دوز جھٹکوں نے بالآخر معرکۂ کربلا بپا کروا کر قیامت تک کے لیے اس امت کو خون کے آنسو رُلا دیا

تھا تو جنگ صفین کے بعد جب فریقین سے اپنا اپنا منصف پیش کرنے کی تجویز پر اتفاق ہوا تو سیدنا حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنی طرف سے حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ [ان کا اصل نام عبداللہ بن قیس رضی اللہ عنہ تھا] کو تجویز کیا جب کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کو پیش کیا۔

حکمین کی تجویز اور خوارج کا جنم دن

یہ تاریخ کا نہایت نازک ترین دور تھا جب ایک طرف حکمین کی تجویز پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو فتنہ و شرور کی آگ بجھنے کی امید پیدا ہوئی اور امن و آشتی کی ہوا آئی مگر ساتھ ہی سیدنا حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو ایک نئی مصیبت و آزمائش کا سامنا کرنا پڑا وہ یوں کہ آپؓ کے لشکر میں سے ایک بڑی جماعت نے فیصلہ تحکیم کے خلاف آواز بغاوت بلند کرتے ہوئے کہا کہ فیصل تو صرف اللہ کی ذات ہے لہٰذا آپ کا حَکَم تجویز کرنا کفر لازم کر دینے والا گناہ ہے اور آپ پر توبہ کرنا لازم و واجب ہے۔ یہی باغی لوگ ''خارجی'' کہلوائے اور ان کے قلع قمع کرنے کے لیے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو جنگ نہروان بپا کرنا پڑی جس سے آپ کے لشکر کی طاقت کمزور پڑ گئی۔ اس سے پہلے یہود کی کوکھ سے روافض کی پیدائش ہو چکی تھی اور اب حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے اپنے ہی لشکر کے باغیوں نے جب ''خوارج'' کا نام پا کر اودھم مچایا تو روافض و خوارج کے تقابلی مہمات نے نقشۂ اسلام دھندلا کر رکھ دیا۔ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کا قاتل عبدالرحمٰن بن ملجم حضرت علی رضی اللہ عنہ کی فوج ہی کا آدمی تھا جو پہلے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی حمایت میں لڑ رہا تھا اور اب جب بغاوت کی بناء پر اس کا خروج لگا تو اسی بدبخت کی منحوس تلوار شیر خدا کے پاکیزہ بدن میں پیوست ہوئی۔ ہمارے اس دعویٰ پر اہل تشیع کی کتابوں کے درجنوں حوالے موجود ہیں کہ عبدالرحمٰن بن ملجم پہلے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے لشکر میں شامل تھا بعد میں خوارج کی صفوں میں چلا گیا۔ روافض و خوارج کے تعارف کو مختصر لفظوں میں یوں بیان کیا جا سکتا ہے کہ روافض خالص یہودی منصوبوں کے ساتھ محبت اہل بیت کے در پردہ جو اصحابِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو باہم نبرد آزما کروا رہے تھے انہیں میں جو انتہا درجہ کے غبی، اجڈ، ضدی اور عنادی لوگ تھے وہ رافضیوں کے بطن سے نکل کر ''خوارج'' کہلوائے۔ یہ تاریخ کی آواز ہے اور امید ہے کہ ہمارے اس موقف پر امامی علما خصوصاً مولانا محمد حسین صاحب ڈھکو ناراض نہیں ہوں گے۔

حکمین کے فیصلے کا کیا ہوا؟

یہ ایک طویل مباحث کی متقاضی بحث ہے کہ معاہدۂ تحکیم کی قرار دادوں میں جو سترہ شقوں پر مشتمل چارٹ تھا اس کا کیا بنا؟ حکمین نے کہاں کہاں مل بیٹھ کر آپسی خلفشار کو ختم کرنے میں مشاورت کی اور مالک الاشتر جیسے مفسدین نے کیسے کیسے اس تازہ ہوا کو اپنی شریر سانسوں سے پھر خزاں میں بدل کر رکھ دیا۔ اس پر تاریخ کے ابواب بھرے اور اٹے پڑے ہیں۔ خلاصۂ کلام یہ کہ اللہ تعالیٰ کو ابھی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم مزید آزمائش منظور تھی اور حکمین کریمین کے انتخاب سے سوائے خوارج کی پیدائش اور روافض کے صاحب اولاد ہونے کے تاریخی نقصان کے کوئی خاطر خواہ فائدہ نہ ہوسکا اور معاملہ جوں کا توں رہا۔ یہ ساری تفصیلات ہم اس لیے درج کر رہے ہیں کہ اس کے بغیر قائد اہل سنت رحمہ اللہ کے ''خارجی فتنہ'' والی زیر بحث عبارت کا مفہوم سمجھ میں نہیں آ سکتا۔

حکمین کے متعلق افراط وتفریط کے منفی جذبات

دکتور علی محمد، محمد الصلابی نے اپنی کتاب ''سیدنا علیؓ بن ابی طالب، شخصیته و عصره ''میں بالکل بجا لکھا ہے کہ ''تحکیم'' کا معاملہ خلافت راشدہ کے پورے عہد میں خطرناک اور نازک ترین موڑ ہے کیونکہ بہت سے قلمکار، مورخین اور اہل علم شعوری و لاشعوری طور پر اس نازک پگڈنڈی سے اتر گئے ہیں مگر ان میں دو آوازیں نہایت خطرناک اور ایمان کی شاخ کو جلا دینے والی ہیں اور یہ دونوں روافض وخوارج کی اٹھائی ہوئی آوازیں ہیں کیونکہ ان میں نبی علیہ السلام کے دو جلیل القدر صحابہ کرامؓ کی بے توقیری اور رفعت شان میں تنقیص کی گئی ہے۔ مثلاً حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ جیسے پاکباز، معاملہ فہم اور متقی و پارسا نفس مقدس کے متعلق کہا گیا کہ وہ ایک بے پرواہ، کج فہم، ناقص الاعتبار، سیاسی بصیرت سے محروم اور کمزور رائے رکھنے والے تھے اور ان کو حَکَم مقرر کر کے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے بڑی خطا کھائی تھی اس کے بالکل برعکس اور متضاد تبرا حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کے متعلق یہ کیا گیا کہ وہ نہایت چالاک، دھوکا باز اور شاطرانہ مزاج رکھنے والے انسان تھے اور انہوں نے اپنی چالاکی کے ساتھ حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کی سادگی سے فائدہ اٹھا کر حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو نقصان پہنچایا۔ اہل سنت والجماعت ان دونوں [حکمین] کے متعلق اس قسم کے منفی جذبات سے ہزار بار توبہ کرتے ہیں اور کائناتِ ارضی کے ذرہ ذرہ کو گواہ بنا کر بارگاہِ رب العزت

میں اقرار کرتے ہیں کہ ہماری زبانیں ان تبروں سے کل بھی محفوظ تھیں اور آج بھی ہم نبی علیہ السلام کے کُل کے کُل صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی عزت وتکریم کو اپنے اثاثہ ایمان کا قُفل سمجھتے ہیں۔

حکمین کے ایک مشہور فیصلہ کی بازگشت

تاریخ کی کتابوں میں درج ہے کہ حکمین نے باہم یہ فیصلہ کیا تھا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت معاویہؓ دونوں معزول ہوجائیں اور خلیفہ کا انتخاب نئے سرے سے ارباب حل وعقد پہ چھوڑ دیا جائے وہ چاہیں تو ان دونوں میں سے کسی کو خلیفہ منتخب کرلیں یا چاہیں تو کوئی تیسرا تجویز کرلیں۔ اس پر مزید حاشیہ آرائی یہ کی گئی ہے کہ حضرت عمرو بن العاصؓ نے حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ سے کہا آپ مجھ سے عمر، عزت و مقام اور رتبہ میں بڑے ہیں لہٰذا کھڑے ہوکر حضرت علی رضی اللہ عنہ کی معزولی کا اعلان کریں پھر بعد میں میں حضرت معاویہؓ کی معزولی کا اعلان کروں گا۔ چنانچہ حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے اعلان فرمایا کہ باہم مشورہ کے بعد میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی معزولی کا اعلان کرتا ہوں، اس کے بعد حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ بلند جگہ پر چڑھے اور کہا کہ ان صاحب نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو معزول کر دیا ہے لہٰذا میں بھی حضرت علی رضی اللہ عنہ کی معزولی کا اعلان کر کے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی خلافت کا اعلان کرتا ہوں۔ یہ سن کر حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ ششدر رہ گئے کہ یہ آپ نے کیا چال چلی ہے؟ اس کے بعد ان دونوں بزرگوں کی باہم خوب تو تکار ہوئی اور معاملات پہلے سے بڑھ کر تخریب کا شکار ہوگئے۔ ہم اہل سنت والجماعت کہتے ہیں کہ کتب تاریخ کا یہ واقعہ اس لیے غیر معتبر ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے تو حضرت علی رضی اللہ عنہ کے مقابلہ میں خلیفہ ہونے کا دعوی ہی نہیں کیا تھا۔ پھر حکمین کی معزولی کا اعلان چہ معنی دارد؟ معاملہ واختلاف خلیفہ کے نصب یا معزول ہونے کا تھا ہی نہیں۔ اصل مسئلہ تو خون حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے پیدا شدہ اختلاف تھا یعنی حکمین کو اس لیے تجویز کیا گیا تھا کہ وہ اس امر پر غور وخوض کریں گے کہ قاتلوں سے قصاص کس طرح لیا جائے اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے مابین اس معاملے میں جو اختلاف پایا جاتا ہے اس کی خلیج کو کیسے کم کیا جائے؟ مگر گھس بیٹھیے اور مفسدانہ عزائم کے علَم بردار لوگوں نے رکاوٹیں پیدا کیں تو یہ نادر موقع آغوش مادر کی بجائے مزید مصیبتوں کا گڑھا ثابت ہوا گیا۔

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی معزولی کے حوالہ سے مولانا محمد اسحٰق سندیلوی کا موقف

اب ہم اپنی گفتگو کو وہاں تک لے آئے ہیں جہاں سے آغاز ہوا تھا۔ اس سلسلہ میں نئے طلبہ کو یہ بات اپنی معلومات میں رکھنی چاہیے کہ قائد اہل سنت رحمہ اللہ نے کتاب ''خارجی فتنہ'' مولانا محمد اسحٰق سندیلوی مرحوم [کراچی] کے جواب میں لکھی ہے جب کہ مولانا سندیلوی صاحب نے اپنی ضخیم کتاب ''اظہارِ حقیقت'' مولانا مودودی کی کتاب ''خلافت وملوکیت'' کی زہریلی عبارات کے تریاق کے طور پر لکھی تھی مگر بقول قائد اہل سنت رحمہ اللہ۔

> ''سندیلوی صاحب نے گو اپنی کتاب ''اظہارِ حقیقت بجواب خلافت و ملوکیت'' ابوالاعلیٰ مودودی صاحب بانی جماعت اسلامی کے رد میں لکھی ہے لیکن کتاب کے مطالعہ سے نتیجہ سامنے آتا ہے کہ اس میں بہ نسبت مودودیت کے سُنیت کا ردّ زیادہ ہے۔'' [خارجی فتنہ حصہ اول، طبع اول صفحہ نمبر ۱۳]۔

مولانا محمد اسحٰق سندیلوی صاحب نے باوجودیکہ حکمین کے متعلق رافضیانہ تراشیدہ باتوں کی تردید کی مگر امر محال اور مفروضہ احتمال کے پیش نظر یہ بھی لکھا کہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی خلافت کوئی منصوص خلافت تو تھی نہیں لہٰذا انہیں معزول ہو جانا چاہیے تھا۔ ان کی عبارت مندرجہ ذیل ہے:

> ''بالفرض حکمین نے کتاب وسنت پر نظر کیے بغیر اپنی رائے سے یہ فیصلہ کر دیا کہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ خلافت سے معزول ہو جائیں تو بھی اس فیصلہ کی پابندی کرنا حسبِ معاہدہ حضرت علی رضی اللہ عنہ پر واجب تھا کیونکہ اس فیصلہ کے جواز میں تو کسی کو کلام ہی نہیں۔ ہم یہ بھی مان لیں کہ یہ کسی آیت یا سنت سے ثابت نہیں مگر آیت یا حدیث کے خلاف بھی نہیں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت منصوص تو نہ تھی کہ انہیں معزول کرنا جائز نہ رہا ہو۔ نصب وعزلِ امام کا مسئلہ اجتہاد سے تعلق رکھتا ہے اور جب انہوں نے فیصلہ کر دیا تو فریقین کے لیے اس پر عمل کرنا واجب تھا۔ خلافت سے دستبردار ہو جانا شرعاً کوئی فعل حرام اور گناہ تو نہ تھا۔'' [اظہارِ حقیقت بجواب خلافت وملوکیت، صفحہ نمبر ۳۸۱، مطبوعہ کراچی]۔ (باقی آئندہ)

متذکرہ عبارت پر قائد اہل سنت رحمہ اللہ کی گرفت

مولانا سندیلوی صاحب کی اس عبارت کے جواب میں قائد اہل سنت رحمہ اللہ نے وہ عبارت لکھی تھی جو زیر بحث ہے اور مضمون کی ابتداء میں ہم پیش کر چکے ہیں۔ اسے یہاں دوبارہ پیش کرنے کی

بجائے ہم اس کی توضیح کرتے ہیں۔ قائد اہل سنت رحمہ اللہ کے جوابی موقف کی مندرجہ ذیل شقیں نظر قارئین ہیں۔

① مولانا سندیلوی خود اپنی کتاب میں اعتراف کر چکے ہیں کہ حکمین کا تقرر خلیفہ کے نئے انتخاب کے لیے نہ تھا کیونکہ خلافت تو بلاشرکت غیرے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ ہی کا حق تھا۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے بھی ان کے مقابلہ میں خلافت کا کوئی دعویٰ نہ کیا تھا۔ خون حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے حوالے سے قاتلوں سے قصاص لینے کی تقدیم و تاخیر سبب نزاع تھا۔ تو اس اعتراف کے باوجود مولانا سندیلوی صاحب ''بالفرض'' کی مصنوعی چھتری تلے بیٹھے اپنے قلمی جوہر کس مقصد کے تحت دکھا رہے ہیں کہ ''بالفرض'' حکمین نے معزول کر دیا تھا تو حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ معزول کیوں نہ ہو گئے؟

② اگر مولانا سندیلوی مرحوم کی مفروضہ رائے کے مطابق حضرت علی رضی اللہ عنہ معزول ہو جاتے تو اس کا مطلب یہ تا کہ ان کے مقابلہ میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ مدعی خلافت تھے جب کہ ایسا نہیں تھا تو کیا اس رائے سے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی شخصیت مجروح نہیں ہوتی کہ وہ قصاص خونِ عثمان رضی اللہ عنہ کے تحت دراصل خلافت پر قابض ہونا چاہتے تھے جبکہ یہ موقف روافض کا ہے گویا اس کے جواب میں قائد اہل سنت رحمہ اللہ نے بہ یک وقت حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی خلافت موعودہ کا بھی دفاع کیا اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی شخصیت و موقف کی بھی فکری حفاظت کی۔

③ قائد اہل سنت رحمہ اللہ کے موقف [جو کتاب ''خارجی فتنہ جلد اول صفحہ ۴۵۵ پر موجود ہے] کا تیسرا جزو یہ ہے کہ مولانا سندیلوی کی ''بالفرض'' کے تحت حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ ''بالفرض'' معزول ہو جاتے تو یہ منشائے الٰہیہ کے خلاف ہوتا۔ کیونکہ وہ مہاجر صحابی تھے اور قرآن مجید کی آیت تمکین میں تمکین فی الارض کا معیار مہاجر خلیفہ بتایا گیا ہے جو آیت استخلاف کی روشنی میں اپنے وعدہ الٰہی پر پورا اتر رہا تھا تو اس صورت حال میں حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کا معزول نہ ہونے کا فیصلہ دراصل منشائے الٰہی تھا اس میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خدانخواستہ نفسانیت کا کوئی دخل نہ تھا بلکہ تقدیر الٰہی میں یہ لکھا ہوا تھا جو ہو کر رہا۔

④ قائد اہل سنت رحمہ اللہ نے حضرات حکمین کریمین [جناب حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ، اور حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ] کے متعلق جو لکھا ہے کہ ان کا حضرت علی رضی اللہ عنہ کو معزول کرنا ہرگز ہرگز

جائز نہ تھا بلکہ گناہ تھا'' تو یہ دراصل مولانا سندیلوی صاحب کی ''بالفرض'' کے جواب میں ہے اور جب بالحقیقت حکمین نے معزولی کا کوئی ایسا فیصلہ نہیں کیا تھا تو ''بالفرض'' کے تحت لائے جانے والے ان الفاظ کا بے معنی و بے وزن ہونا خود بخود عیاں ہوگیا۔ البتہ زیادہ سے زیادہ یہاں کوئی یہی کہہ سکتا ہے کہ قائد اہل سنت رحمہ اللہ ان الفاظ کے متبادل الفاظ لے آتے تو نافہم اور معاند طبقہ کو خوامخواہ تہمت تراشی کا موقع نہ ملتا۔ اسی سلسلہ میں بھی ہم یہی عرض کریں گے کہ بالفرض ایسے الفاظ نہ بھی ہوتے تو مخالفین قائد اہل سنت کو بلا چپوا پنی کشتی خشکی پر چلانے کا ویسے بھی شوق ہے اور وہ یہ شوق تب بھی جاری رکھتے اور کسی اور اعتراض کی راہ نکال لیتے۔ البتہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ ان کلمات کے عدم اندراج سے مخلصین اہل سنت معاندین و معترضین سے سینگ پھنسانے کے تضیع اوقات سے بچ جاتے۔

⑤ قائد اہل سنت رحمہ اللہ کے جوابی موقف کا پانچواں جزو یہ ہے کہ مولانا سندیلوی مرحوم کے بے محل وضع کردہ ''بالفرض'' کے تحت اگر حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ معزول ہوجاتے تو روافض کو یہ کھیل کھیلنے کا موقع مل جاتا کہ آیت تمکین واستخلاف کے وعدہ خداوندی کے باوجود اگر حضرت علی رضی اللہ عنہ کو معزول کرنا درست تھا تو پھر اسی اصول کے تحت حضرات خلفاءِ ثلاثہؓ کا انتخاب بھی صحیح نہ تھا اور وہ منصب خلافت کے اہل نہ تھے۔ تو گویا قائد اہل سنت رحمہ اللہ نے اپنی اس عبارت میں حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ اور حضرات حکمینؓ کریمین کے ساتھ ساتھ دیگر خلفائے راشدین کا بھی مکمل دفاع کر دیا اور روافض کے ممکنہ حملوں سے اپنی خداداد بصیرت و ذکاوت سے مدافعت کا فریضہ سرانجام دیا۔

قائد اہل سنتؒ نے اپنی عبارت حضرت شاہ ولی اللہؒ کی پیش کردہ ایک نبوی پیش گوئی کی روشنی میں لکھی تھی

اب ''خارجی فتنہ'' جلد اوّل صفحہ نمبر ۴۵۶ ملاحظہ کریں تو قائد اہل سنت رحمہ اللہ نے حضرت شاہ ولی اللہؒ محدث شہیر دہلی کی بیان کردہ ایک پیش گوئی کا حوالہ دیا ہے ملاحظہ کیجیے۔ حضرت شاہ صاحب لکھتے ہیں:

"باز از واقعه تحکیم اخبار فرمود فی الخصائص اخرجه البیهقی عن علیؓ قال قال رسول اللهﷺ ان بنی اسرائیل اختلفوا فله یزل

اختلافهم فيما بينهم حتى بعثوا حكمين فضلاًواضلا وان هذه الامة مختلفة فلا يزال اختلافهم بينهم حتى يبعثوا حكمين ضلًا وضَل من اتبعهما ۔ مراد ازضلاً آں است کہ خطاء کردہ اند دراجتہاد خود ومراد ازضل من اتبعھما آنست کہ ایں خطا موجب مفاسد نیست ازاں جملہ خروج خلافت از دست مہاجرین اولین بسوئے سائر قریش وازاں جملہ برآمدن خوارج متمسک بآنکہ تحکیم دردین اللہ صحیح نبود۔ [ازالۃ الخفاء فارسی جلد دوم،ص ۲۷۶،مطبوعہ سہیل اکیڈمی لاہور]۔

ترجمہ:''پھر رسول اللہ ﷺ نے واقعہ تحکیم کی خبر دی۔ خصائص میں ہے کہ بیہقیؒ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ بنی اسرائیل میں اختلاف پیدا ہوا جو بڑھتا رہا حتی کہ انہوں نے حکمین [دو ثالث] مقرر کیے۔تو اس امت میں بھی اختلاف پیدا ہوگا اور ان کا اختلاف بھی بڑھے گا حتیٰ کہ وہ حکمین کو مقرر کریں گے جو غلطی کریں گے اور جو ان کی پیروی کریں گے وہ بھی غلط راہ پر چلیں گے، ان ثالثوں کے گمراہ ہونے سے مراد ان کے اجتہاد کی خطاء ہے اور پیروی کرنے والے گمراہوں سے مراد یہ ہے کہ یہ خطا بہت سارے مفاسد کا مجموعہ بن گئی جن میں سے ایک یہ ہے کہ خلافت مہاجرین اوّلین، دوسرے قریش کی طرف چلی گئی اور دوسری یہ ہے کہ خوارج پیدا ہوگئے جنہوں نے یہ قول اختیار کیا کہ اللہ تعالیٰ کے دین میں تحکیم [کسی کو ثالث مقرر کرنا] صحیح نہیں ہے۔'' [خارجی فتنہ جلد اول،طبع اول،ص ۴۵۶]

⑥ گویا قائد اہل سنت کی مندرجہ عبارت دراصل حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ کی شہرہ آفاق کتاب''ازالۃ الخفاء عن خلافت الخلفاء'' میں درج ایک حدیث شریف کی روشنی میں ہے۔ یاد رہے کہ یہاں اس حدیث کی سندی حیثیت زیر بحث نہیں ہے اور نہ ہی خود حضرت شاہ صاحبؒ نے اس پر کوئی کلام کیا ہے لہٰذا نفسِ متن سے قائد اہل سنت رحمہ اللہ نے اپنا موقف جو مستفاد کیا ہے اس کو اسی تناظر میں دیکھا جانا چاہیے۔ علامہ ابن کثیر رحمہ اللہ کے حوالہ سے جو مولانا قاضی شمس الدین [موضع درویش ہری پور] مرحوم نے قائد اہل سنت رحمہ اللہ کے نام ایک ذاتی خط میں اس کی سند پر بحث کی تو اس کا مقام اور ہے یہاں اس پر اگر ہم دلائل جمع کرتے ہیں تو مضمون کا حجم بڑھ جانے کا اندیشہ ہے۔

⑦ قائد اہل سنت رحمہ اللہ کی عبارت کا ساتواں جزو یہ ہے کہ آپ نے حکمین کے متعلق جو بات

لکھی ہے اگر وہ فی الواقعہ ایسا ہی ہے جیسے مورخین نے لکھا کہ فیصلہ کے مطابق دونوں حضرات [حضرات علی رضی اللہ عنہ و معاویہؓ] کو معزول کر دیا جائے یا بقول مولانا سندیلوی مرحوم ''بالفرض'' معزول کر دیئے جاتے تو قائد اہل سنت رحمہ اللہ کی عبارت کے مطابق وہ حکمین کی خطاء اجتہادی ہوتی اور خطاء اجتہادی میں نفسانیت کا کوئی عمل دخل نہیں ہوتا۔ اجتہادی خطا ''صواب'' کے مقابلہ میں ہوتی ہے اور اسے مطلق خطاء سے تعبیر کر کے ''بشری غلطی'' قرار دینا بے مغز بلکہ کوڑھ مغز خوارج ونواصب کا کام ہے یا پھر سرے سے علمی اصطلاح سے نابلد کسی ایسے طبقے کا طرز عمل ہے جسے اپنی علمی یتیمی کا مرثیہ پڑھنا چاہیے۔

کیا حکمین یا حضرت معاویہؓ کو علم نہیں تھا کہ حضرت علیؓ موعودہ خلیفہ راشد ہیں؟

اس عوامی اشکال کا جواب قائد اہل سنت رحمہ اللہ اپنی ایک دوسری تصنیف میں یوں درج فرماتے ہیں:

> ''حضرت علی رضی اللہ عنہ کا موعودہ خلیفہ راشد ہونا قرآن اور حدیث سے ثابت ہے لیکن دور صحابہ رضی اللہ عنہم میں یہ نصوص صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے پیش نظر نہ تھیں کیونکہ آیت وحدیث میں خلفائے اربعہ کے نام نہیں تھے اس وقت صحابہ کرامؓ نے اجتہاد کی بنا پر اپنا اپنا موقف اختیار کر لیا اور وہ اس میں معذور تھے بحیثیت شرفِ صحابیت کے ہم حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے خلوص میں شبہ نہیں کر سکتے البتہ یہ کہہ سکتے ہیں کہ آپ سے اجتہادی خطاء کا صدور ہو گیا تھا اور اس میں نہ کوئی بے ادبی ہے نہ تنقیصِ شان، کیونکہ اجتہادی خطاء پر بھی ازروئے حدیث بخاری ایک گونہ ثواب ملتا ہے تو کارِ ثواب پر ملامت کیونکر کی جاسکتی ہے؟'' [دفاعِ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ صفحہ نمبر ۲۹، مطبوعہ ادارہ مظہر التحقیق لاہور، مارچ ۲۰۱۴ء]۔

صُورتاً اور حقیقتاً کی اصطلاح

''خارجی فتنہ'' جلد اول کی زیر بحث عبارت کے جوابات دیتے ہوئے قائد اہل سنت رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ:

> ''بندہ نے حضرات حکمین کے متعلق جو الفاظ نافرمانی یا گناہ وغیرہ کے لکھے ہیں تو اس سے مراد صورتاً ہے نہ کہ حقیقتاً! جیسا کہ دوسرے مقام پر میں نے اس کی تصریح کر دی ہے کیونکہ ان حضرات کا اختلاف اجتہاد پر مبنی تھا اور اجتہادی اختلاف حق و باطل پر مبنی نہیں ہوتا بلکہ حق

کے دائرہ میں ہی صواب و خطا پر مبنی ہوتا ہے۔'' [دفاع حضرت معاویہؓ، ص۳۰، مطبوعہ ادارہ مظہر التحقیق، لاہور]۔

بعض اہل علم نے اپنا تردد ظاہر فرمایا ہے کہ یہ صورتاً اور حقیقتاً کی اصطلاح حضرت قاضی صاحب رحمہ اللہ کی ذاتی وضع کردہ ہے یا اس سے پہلے کے اکابر کے ہاں بھی یہ مستعمل رہی ہے؟ تو ان کی خدمت میں عرض ہے کہ شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی علیہ الرحمۃ کی نگارشات میں بکثرت ملتی ہے۔ مثلاً آپ فرماتے ہیں:

''بہرحال عصمت انبیاء علیہم السلام کے لیے نبوت لوازمِ ذاتیہ میں سے ہے کبھی ان سے جدا نہیں ہوتی جو افعال ان سے معاصی سمجھے گئے ہیں وہ حقیقتاً معاصی نہیں ہیں، صرف صورتاً ہی معاصی، خطائے اجتہادی اور زَلّت ہیں۔'' [مودودی دستور اور عقائد کی حیثیت ص۵۴]

یاد رہے کہ نواصب و خوارج کے بعض ضدی لوگوں کے متواتر اعتراضات کے پیش نظر قائد اہل سنت رحمہ اللہ نے بعض رفقاء و متوسلین کی خواہش پر ''خارجی فتنہ'' کی اس عبارت پر اگلے اڈیشن میں وضاحتی نوٹ یا قوسین میں ''صُورتاً نافرمانی'' یا ''صُورتاً گناہ'' کا اضافہ کرنے کا عندیہ ظاہر فرمایا تھا مگر قائد اہل سنت رحمہ اللہ کی زندگی میں ''خارجی فتنہ'' کی دوبارہ اشاعت نہ ہوئی تھی۔ اس کتاب کا دوسرا اور تیسرا اڈیشن الحمدللہ ادارہ مظہر التحقیق لاہور کو شائع کرنے کی توفیق نصیب ہوئی مگر ہمیں بھی بوقتِ اشاعت قائد اہل سنت رحمہ اللہ کے اس فرمان کا علم نہیں تھا یہ حقیقت ہم پر ''مظہر کرم'' [سوانح قائد اہل سنت رحمہ اللہ] کی تصنیف کے دوران آشکار ہوئی جب ہم قائد اہل سنت رحمہ اللہ کے مختلف حضرات کے نام خطوط جمع کرنے کی کدو کاوش اور املاء و ترتیب میں مشغول تھے۔ اب ان شاء اللہ کتاب ہذا کے آئندہ اڈیشن میں نہ صرف یہ کہ قوسین میں اضافہ کر دیا جائے گا بلکہ زیرِ نظر مضمون بھی بطور وضاحتی سطور کے شامل کتاب ہوگا۔

متذکرہ خط جس کا ذکر کیا گیا ہے یہ محترم ماسٹر منظور حسین صاحب [سرگودہا] کے نام قائد اہل سنت رحمہ اللہ کا خط ہے۔ ماسٹر منظور حسین صاحب نے اپنے خط میں لکھا تھا کہ میری رائے میں اگر مناسب فرمائیں تو اس عبارت میں تبدیلی ہو جائے تو بہتر ہوگا کیونکہ یہ الفاظ سخت محسوس ہو رہے ہیں۔ اس کے جواب میں قائد اہل سنت نے لکھا تھا کہ:

''یہ الفاظ بظاہر واقعی سخت ہیں اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی عظمت کے خلاف ہیں لیکن بندہ نے بھی

تو ان سے مراد اجتہادی خطاء ہی لی ہے یعنی صورتاً گناہ اور نافرمانی ہے نہ کہ حقیقتاً! چنانچہ بندہ نے اپنی تائید میں بعدازیں حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ کی عبارت پیش کی ہے..... یہ بھی ملحوظ رہے کہ دوسرے اڈیشن میں کچھ اصلاح بھی کر دی جائے گی کہ حضرات حکمین کے متعلق جو الفاظ ہیں ان کے قوسین میں یہ لکھ دیا جائے گا کہ یہ صُورتاً نافرمانی ہے نہ کہ حقیقتاً، گو کہ دوسرے مقامات پر یہ توجیہہ پیش کر دی گئی ہے۔ الخ۔'' [مکتوب قائد اہل سنتؒ بنام ماسٹر منظور حسین، ۱۷، مارچ ۱۹۸۴ء، بحوالہ ''مظہر کرم'' مطبوعہ ۲۰۲۰ء]

اب ملاحظہ کیجیے کہ مختلف مقامات پر توجیہہ کے باوجود اس امر کا اعتراف کیا جا رہا ہے کہ عوام کو ذہنی خلجان سے محفوظ رکھنے کے لیے قوسین میں [آئندہ اڈیشن میں] وضاحت کر دی جائے گی۔ مگر اس کے باوجود جو لوگ بستہ ''ب'' والوں کے لب ولہجہ میں ہی بات کرنے کو اپنا ہنر سمجھتے ہیں وہ کہہ گذرے کہ:

''حضرت قاضی صاحب اپنی زندگی میں تو توہین صحابہ رضی اللہ عنہم کے جرم سے توبہ نہیں کر سکے جب کہ ان کے جانشین حضرات ان کے موقف ومشن پر سختی کے ساتھ قائم ہی نہیں بلکہ جو اس موقف کے ساتھ اختلاف کا اظہار کرے تو اسے خارجی، یزیدی کہہ کر اہل سنت والجماعت سے خارج کر دیتے ہیں]۔ [پروفیسر محمد طاہر ہاشمی/ ناقدین سیدنا معاویہؓ، ص نمبر ۲۲۲، مطبوعہ حویلیاں ۲۰۱۳ء]

پروفیسر مرحوم کا یہ کہنا کہ جو کوئی حضرت قاضی صاحب سے اختلاف کرے اسے خارجی وغیرہ کہہ دیا جاتا ہے، خلط مبحث پر مبنی ہے اور یہ بالکل ایسا ہی ہے جیسے روافض کہتے ہیں کہ محبت اہل بیت کی وجہ سے ہماری تکفیر کی جاتی ہے یا منکرین حدیث کہتے ہیں کہ مشن قرآنی کی ترویج واشاعت کی بناء پر ہمارے خلاف فتاویٰ دیئے جاتے ہیں۔ سو جس طرح رافضی ہونے کا معیار محبت اہل بیت نہیں بلکہ اس کے درپردہ اسلام دشمنی ہے اور منکرِ حدیث ہونے کی وجہ علومِ قرآن کی ترویج کرنا نہیں بلکہ یہ انکار احادیث کے مستقل انکار کی وجہ سے ہے تو بعینہٖ خارجیت قدیم ہو یا جدید یا یزیدیت وناصبیت ہو، یہ مستقل فکر کا نام ہے اور وہ فکر ژولیدہ یہ ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی محبت ودفاع کی آڑ میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت موعودہ کو ہدفِ ملامت بنایا جائے یا اہل بیت نبی کی تنقیص کی جائے اور چونکہ حضرت اقدس قاضی صاحب رحمہ اللہ نے اس بیمار فکر کے پرچارکوں کا بھرپور تعاقب کر کے انہیں

بستہ ب والوں کی قطار میں کھڑا کر دیا ہے اس لیے اب وہ علانیہ جھوٹ بول کر تہمت تراشنے میں کوئی عیب محسوس نہیں کرتے۔ آخر میں اسلام کے ایک آزاد مجلسی بزرگ کا واویلا بھی پڑھ لیجیے۔

''جب تک مظہر حسین صاحب اور ان کے چیلے معافی نہیں مانگتے اور اس مسلکِ مردود سے تائب نہیں ہوتے میں ان تمام لوگوں کو ان ہی اسماء صفات [باغی، خطا کار، گناہ گار] وغیرہ سے پکارتا رہوں گا۔ صحابہ کو برا کہنے کے باوجود یہ اہل حق ہیں تو میں اور میرا حلقہ ان عجمیوں کو برا کہنے سے کیونکہ اہل سنت سے خارج ہو جائیں گے۔'' [مولانا عطاء المحسن شاہ رحمہ اللہ ماہ نامہ نقیب ختم نبوت ص ۹، جون ۱۹۹۰ء، ملتان]۔

یہاں آپ کو دو عدد حقائق پر مبنی لطائف ہی نہ سنا دیں؟ لیجیے پڑھیے:

① قائد اہل سنت رحمہ اللہ نے اپنے والد گرامی کی وفات کے بعد ان کی شہرہ آفاق کتاب ''آفتاب ہدایت'' کا تیسرا اڈیشن شائع کروایا تھا۔ یہ ردّ رفض پر اردو زبان کی معروف کتاب ہے تو اس وقت امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری رحمہ اللہ نے یہ کتاب اپنی دختر نیک اختر کو جہیز میں دی تھی۔ تفصیلات ملاحظہ کیجیے ''کشف خارجیت طبع اوّل، صفحہ نمبر ۱۰۵۔

② حضرت مولانا ابوذر سید عطاء المنعم شاہ صاحب بخاری رحمہ اللہ نے قائد اہل سنت کی رد ماتم پر لاجواب کتاب ''بشارت الدارین'' پندرہ روزہ ''الاحرار'' میں بالاقساط شائع کرنے کی اجازت لیتے ہوئے بے حد و غد فرحت محسوس کی تھی قائد اہل سنت رحمہ اللہ کے نام شاہ صاحب کا خط ۲۸ ذوالحج ۱۳۹۸ھ کا مرسلہ ہے۔

کیوں صاحب کیسا رہا لطیفہ؟ والد گرامی نے کتاب آفتابِ ہدایت کو عزت بخشی، امیر شریعت رحمہ اللہ کے بڑے فرزند نے ''بشارت الدارین'' کی تحسین فرمائی جب کہ چھوٹے بھائی چونکہ ''حلقۂ عرب'' کے مقتداء ہیں سو ان کے ہاں یہ سب کچھ ''مسلک مردود'' ہے۔

زمین چمن گل کھلاتی ہے کیا کیا
بدلتا ہے رنگ آسماں کیسے کیسے